اس کتاب میں دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ طاہر القادری کے خیالات اس شریعت مطہرہ سے مختلف ہیں جو فقہاء و آئمہ اہلسنت کے ذریعے ہم تک پہنچی،

پروفیسر طاہر القادری

ایک علمی و تحقیقی جائزہ

تالیف

از شاہ مفتی غلام سرور قادری

ادارہ مصباح القرآن پاکستان لاہور

فرزندانِ اسلام کے لئے مختلف اسلامی موضوعات پر

دورِ حاضر کے عظیم محقق

مفتی غلام سرور قادری ایم۔اے اسلامک لاء

کی شہرہ آفاق

تصانیف

(۱) معاشیاتِ نظامِ مصطفےٰ	دورِ حاضر کی اقتصادی و معاشی مشکلات کا حل
(۲) معجزاتِ مصطفےٰ	گنبدِ خضرا کے سایہ میں لکھی جانے والی نرالی کتاب
(۳) ندائے یا محمد یا رسول اللہ	ندائے یا محمد یا رسول اللہ کے موضوع پر بے مثال تحقیق
(۴) الشاہ احمد رضا بریلوی	حیاتِ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ پر بہترین تصنیف
(۵) افضلیتِ صدیقِ اکبر	اپنے موضوع پر واحد کتاب بمعہ فتوی اہلسنت
(۶) قاضی اور سربراہِ مملکت	عہدۂ قضا اور اسکی ذمہ داریاں سمجھنے کیلئے عمدہ کتاب
(۷) تحفۂ مومن	مابعد الموت کے احوال پر عمدہ تحقیق
(۸) انیس الارواح	حضرت خواجہ عثمان ہارونی علیہ الرحمہ کے ملفوظات کا فارسی سے اردو ترجمہ
(۹) صلوٰۃ و سلام قبل اذان	اذان سے قبل صلوٰۃ و سلام پڑھنے کا جواز
(۱۰) اسلامی قانونِ شہادت	اسلامی قانون شہادت پر اعتراض کا جواب اور چند شبہات کا ازالہ
(۱۱) الصرح النامی علی شرحِ الجامی	شرح جامی کی شرح و ترجمہ اردو زبان میں پہلی مرتبہ
(۱۲) الوظیفۃ الکریمیہ	حل مشکلات کا عظیم وظیفہ مع شرائط پیری و مریدی، ضرورت و اہمیت بیعت۔

غوثیہ سرور سوسائٹی
جامعہ غوثیہ رضویہ
مین مارکیٹ گلبرگ ۲۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پروفیسر طاہر القادری کا

علمی و تحقیقی جائزہ

حصہ اوّل

تالیف

الشاہ مفتی غلام سرور قادری

رکن مرکزی زکوٰۃ کونسل و مشیر وفاقی شرعی عدالت پاکستان و مہتمم جامعہ غوثیہ مین مارکیٹ لاہور

ناشر

مرکزی ادارہ اشاعت قرآن و سنت (جامعہ غوثیہ) مین مارکیٹ

گلبرگ لاہور

نام کتاب: پروفیسر طاہر القادری کا علمی و تحقیقی جائزہ

مصنف: الشاہ مفتی غلام سرور قادری

تاریخ طباعت: ماہِ رمضان ۱۴۰۸ھ ، ماہ اپریل ۱۹۸۸ء

ایڈیشن: اوّل

تعداد: گیارہ سو (۱،۱۰۰)

ہدیہ:

مطبع:

ملنے کا پتہ: مرکزی ادارہ اشاعت قرآن و سنت (دار العلوم غوثیہ) مین مارکیٹ گلبرگ لاہور

فہرست مضامین

انتساب

حضرت الحاج عبدالرشید قریشی چیف انجینیر (ریٹائرڈ) وستارۂ خدمت، صدر جامعہ غوثیہ مین مارکیٹ گلبرگ لاہور کے نام گرامی سے جن کی علمی لگن اور دینی ذوق و اشاعتِ مسلک حق اہل سنت و جماعت میں ممد و معاون ہے۔

اللہ تعالیٰ موصوف کی عمر و صحت اور نورِ ایمان و عمل میں برکتیں فرمائے۔ آمین۔

نیز ادارہ ہذا اشاعتِ دینِ متین میں حضرت موصوف کے علاوہ الحاج میاں ذکار الرحمٰن، الحاج میاں محمد شریف چیئرمین اتفاق گروپ و الحاج محمد جاوید شفیع ڈائریکٹر اتفاق فونڈریز لاہور الحاج ملک رحمۃ اللہ، الحاج چوہدری محمد حیات و الحاج چوہدری عید محمد و الحاج نور محمد مرحوم کے صاحبزادوں و بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) عبدالقیوم و الحاج سردار احمد علی و محمد رفیع خاں سیٹھ حبیب احمد و محمد سرور خاں و جملہ احباب انجمن تہذیب الاسلام کی سرپرستی پر متفخر و متشکر ہے۔

ناظم ادارہ ھذا

طاہر القادری علماء دیوبند کی نظر میں

علماء دیوبند کے دار العلوم جامعہ خیر المدارس ملتان سے نکلنے والے ماہنامہ الخیر ماہِ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ بمطابق ماہِ دسمبر ۱۹۸۷ء کے صفحہ ۱۴، ۱۵، ۱۶ پر جناب سید سلیمان احمد عباسی امروہی خطیب جامع مسجد مرکزی ٹوبہ ٹیک سنگھ کا مضمون ملاحظہ فرمائیں۔

کچھ عرصہ سے بعض ڈاکٹر اور پروفیسر قسم کے نئے نئے محققین و مفسرین نے اُمت کے مسلّمہ مسائل کو متنازع بنا کر اخبارات و جرائد میں ان پر بحث و گفتگو کا مکروہ مشغلہ شروع کر رکھا ہے جس سے اظہار علمیت کے ساتھ ساتھ بظاہر یہ تاثر دینا بھی مقصود ہے کہ اسلاف کرام کا علم اس درجہ ناقص ہے کہ ان کے اجماعی فیصلے بھی ناقابلِ قبول یا کم از کم محلِ نظر ہیں۔

اسی سلسلہ میں ڈاکٹر علامہ طاہر القادری کا نام نامی و اسم گرامی بھی اخبارات کی زینت بنا۔ ڈاکٹر علامہ موصوف نے عورت کی نصف دیت کے مسلّمہ مسئلہ کو ہدفِ تنقید بنایا اور اس کے غلط ہونے پر دلائل کے انبار لگا دیئے۔ پھر اس کے جواب کا طولانی جواب الجواب پیش کیا۔ لیکن اسی جواب الجواب کا جواب ملنے پر علامہ صاحب نے چپ سادھ لینے میں خیریت سمجھی۔ یہ نہ معلوم ہو سکا کہ علامہ موصوف نے اپنے مسلک سے رجوع کر کے امت کا مسلّمہ موقف تسلیم کر لیا یا نہیں؟ درحقیقت اپنی غلطی کا اعتراف اور قبول حق کا اعلان بہت ہی حوصلہ اور عالی ظرفی کی دلیل ہے جو ہر ایک کو نصیب نہیں۔

گزشتہ ایام میں علامہ موصوف نے ٹوبہ ٹیک سنگھ کو شرفِ قدوم بخشا اور یہاں موصوف نے عمومی و خصوصی اجتماعات سے خطاب فرمایا۔ احقر راقم الحروف ان کی زیارت سے مشرف نہ ہو سکا۔ لیکن لوگوں سے ان کی فصاحت و بلاغت، برجستہ تقریر اور بظاہر دعوت اتحاد بین المسلمین مگر بباطن خلافیات کو ہوا دینے کی بابت بہت کچھ سنا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک سوال کے جواب

میں علامہ صاحب نے فوٹو کے جواز کا فتویٰ دیدیا۔ اللہ تعالیٰ موصوف کو جزائے خیر عطا کرے کہ انھوں نے اُمّت پر بڑا احسان کیا اور بہت بڑی تنگی دُور کر دی۔ اگرچہ پاک و ہند کے تمام بڑے بڑے علماء و مستند مفتیانِ کرام کا فوٹو کی حرمت اور عدمِ جواز پر اتفاق ہے اور اس مسئلہ میں دیوبندی بریلوی اور اہلِ حدیث سب ہی متفق ہیں۔ مگر علامہ صاحب کے علم کے سامنے ان سب کے علم کی کیا حیثیت ہے ؟ اللّٰھمّ زد فزد۔

لیکن اس مقام پر ڈاکٹر علامہ موصوف سے ایک سوال کرنے کو دل چاہتا ہے کہ اسلام میں مجسمہ سازی کی ممانعت اور تصویر کی حرمت کا منشاء کیا ہے ؟ اور کیا وہ منشاء فوٹو میں بدرجہ اتم نہیں پایا جاتا — ؟ یا علامہ صاحب کے نزدیک مجسمہ سازی اور ہر قسم کی تصویر کشی کی بھی اجازت ہے ؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اشدّ الناس عذابًا یومَ القیامۃ المصوّرون (قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب تصویر بنانے والوں کو ہوگا) کے عموم سے فوٹو گرافی کی تخصیص کی دلیل کیا ہے ؟

آمدم برسرِ مطلب، ایک سفر میں علامہ موصوف کی کتاب "تسمیۃ القرآن" کی ورق گردانی کا شرف حاصل ہوا۔ اس کتاب کے ص۱۰ پر آپ لکھتے ہیں۔

"وھو یجیر ولا یجار علیہ (المومنون : ۸۸)	اور وہ اُجرت عطا کرتا ہے اور خود اپنی کسی نعمت پر اُجرت نہیں لیتا۔

آیت کا محققانہ ترجمہ پڑھ کر دماغ چکرا گیا اس عجیب و غریب مفہوم تک کسی صحابیؓ کی رسائی ہوسکی نہ کسی امام و مجتہد کی نہ کسی محدث و مفسرِ قرآن کی۔ علامہ موصوف کے مقتدیٰ و پیشوا جناب احمد رضا خاں صاحب اس آیت کا یہ ترجمہ کرتے ہیں۔

"اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے خلاف کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔"

علمِ صرف کا ابتدائی اور ادنیٰ طالب علم بھی یہ جانتا ہے کہ اجار، یجیر اور یجیر باب افعال کے صیغے ہیں ان کا مادہ جوار ہے اجر نہیں ہے۔ یجیر مضارع معروف مثبت ہے اس کے معنی ہیں پناہ دیتا ہے اور لا یجار مضارع مجہول منفی ہے اس کے معنی ہیں پناہ نہیں دیا جاتا۔ اسی سے یہ مشہور دعاء ہے اللّٰھمّ اَجِرنی من النار (اے اللہ! مجھے آگ سے

پناہ دے) لیکن گرائمر کے قواعد کے برعکس علامہ صاحب نے اس کو اجرت دینے کے معنی میں لیا ہے اسی لئے صلا پر آپ لکھتے ہیں:

" اللہ تعالیٰ کا اجیر (معطی) ہونا اس حدیث سے کتنا واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انما انا قاسم واللہ یعطی " بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است۔ علامہ صاحب نے اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں ایک اسم اجیراً کا اضافہ فرمادیا۔ اب تک تمام اہل لغت اجیر کو مزدور اور اجرت لینے والے کے معنی میں سمجھتے رہے۔ حدیث و فقہ کی تمام کتابوں میں ابواب الاجارہ میں اجیر بمعنی مزدور اور مستاجر اجرت پر رکھنے والے کے معنی میں مستعمل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اعطوا الاجیر اجرہ قبل ان یجف عرقہ (مزدور کو پسینہ خشک ہونے سے پہلے مزدوری دے دو) بخاری شریف میں ایک طویل حدیث منقول ہے جس کا جزو یہ ہے ورجل استاجر اجیرا فاستوفی منہ ولم یعطہ اجرہ۔ (اللہ تعالیٰ جن لوگوں کے خلاف خود مدعی ہوں گے ان میں سے ایک وہ شخص ہوگا جس نے مزدور سے پورا کام لیا لیکن اسے مزدوری نہ دی) معلوم نہیں پروفیسر، علامہ اور ڈاکٹر صاحبان کے لئے صرف ونحو سے مستغنی ہونا ضروری ہے یا ان حضرات کے نزدیک گرائمر اور لغت کے مفاہیم تبدیل ہوگئے ہیں۔

سفر میں میرے پاس علامہ موصوف کی کتاب کے مطالعہ کی گنجائش نہ تھی ورنہ شاید اس بحر علوم کی غواصی سے مزید درہائے شہوار برآمد ہوتے۔ اللّٰھم احفظنا من الغبی والغوی ــــــ

طاہر القادری علمائے اہلحدیث کی نظر میں

جناب محمد رفیق اختر کاشمیری نے طاہر القادری پر ایک کتابچہ شائع کیا ہے جس کا نام ہے۔ "نابغۂ عصر، کا مبلغ علم"

اس کے صفحہ ۱، ۲، ۷، ۱۵، ۳۸، ۳۹ کے خاص اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

ملنے کا پتہ:۔ جامعہ تدریس القرآن والحدیث

جامع مسجد روڈ۔ راولپنڈی

حامداً ومصلیاً

پروفیسر طاہر القادری صاحب سے پہلا تعارف اطاعتِ رسُول صلّی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر ان کی تقریر کے مَوقع پر ہُوا۔ بریلوی انداز کے مغالات کے باوصف خطاب کا عمومی تاثر اچھا تھا۔ راقم الحروف بھی ان طلبہ علم میں سے تھا جو ڈاکٹر صاحب موصُوف سے حُسنِ ظن رکھنے لگے تھے اور یہ سمجھنے لگے تھے کہ عام بریلوی عُلماء کے برعکس ڈاکٹر صاحب تحقیق کے میدان سے تعلق رکھتے ہیں۔

انہی دنوں موصوف نے عورت کی دِیّت کے مسئلہ پر جمہور اُمّت کے موقف سے علیحدہ راہ اختیار کی تو بریلوی مکتبِ فکر ہی کے ایک عالِم مفتی غلام سرور قادری صاحب نے اس موضوع پر لکھے گئے ایک کتابچہ کے مقدّمہ میں انکشاف فرمایا کہ حضرت ڈاکٹر صاحب قرآن وحدیث اور ان کے متعلّقہ علوم میں غیر معمولی دسترس تو کیا رکھیں گے وہ تو عربی عبارت بھی نہیں پڑھ سکتے۔ راقم الحروف ایک عرصہ تک مفتی صاحب کے اِن الفاظ کو معاصرانہ کشمکش اور مولویانہ مبالغہ آمیزی پر مبنی سمجھتا رہا تاآنکہ "فہمُ القرآن" میں دورانِ خطاب نابغۂ عصر نے لفظِ قرآن کو عطشان اور غضبان کا ہم وزن قرار دیا۔ میرے حسنِ ظن کو دوسری بڑی ٹھوکر، بلکہ ضرب بھی ڈاکٹر صاحب

نے اسی خطاب میں لگادی جب قرآنی الفاظ : وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ۔ (المؤمنون ۸۸) کا ترجمہ یوں کیا : "وہ سب کو اجر عطا فرماتا ہے کسی سے اجرت نہیں مانگتا" حیران تھا کہ جو صاحب یجیر اور یجار کو جوار کی بجائے اجر سے مشتق سمجھتے ہیں ان کی تفسیر کا منہاج کیا ہوگا۔ یہ حیرانی پریشانی میں بدل گئی۔ جب ۲۵ ستمبر کی شام پاکستان ٹیلی ویژن پر نشر ہونے والے خطاب بعنوان رحمت للعالمین میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے قرآنی آیت : رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا۔ (المومن ۷) میں وَسِعْتَ کو وَسِعَتْ پڑھا حالانکہ مصحف شریف ان کے سامنے تھا فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

اپنی اس حیرت و پریشانی کا ذکر رفیقِ محترم محب مکرم مولانا محمد رفیق اختر کاشمیری سے کیا تو انہوں نے "تعمیرِ شخصیت" کے حوالہ سے مضحکات مبکیات کی نشاندہی کی۔ راقم نے شبان اہلِ حدیث کے ناظم سلسلہ مطبوعات ہونے کی حیثیت سے درخواست کی کہ وہ اپنے ملاحظات مرتب فرمادیں۔ جمعیت شبّان اہلِ حدیث راولپنڈی اُن کی ممنون ہے کہ انہوں نے اس درخواست کو شرفِ قبولیت بخشا اور یہ عجالہ سپردِ قلم فرمایا جس میں قرآن و حدیث کے متعلق ڈاکٹر صاحب موصوف کے مبلغِ علم کا جائزہ لیا گیا ہے۔

امید ہے کہ وہ نابغہ عصر کی علوم عقلیہ میں مہارتِ تامّہ سے عوام کو جلد مطلع فرمائیں گے

وَعِندَ اللّٰهِ فِی ذٰلِكَ الْجَزَاء ۔ رشید احمد۔ ناظم سلسلہ مطبوعات :

اکتوبر ۱۹۸۷ء — جمعیۃ شبان اھلحدیث راولپنڈی

"نابغۂ عصر"
کی قرآن فہمی

قرآنی علوم میں ڈاکٹر صاحب موصوف کے پندار کا عالم یہ ہے کہ منہاج القرآن کے نام سے تفسیر بھی تصنیف فرما رہے ہیں۔ مبتدی طالب علم بھی جانتے ہیں کہ علماء متقدمین و متاخرین مفسرِ قرآن کے لیے عربی زبان، قواعدِ نحو و صرف اور علوم معانی و بیان کو بنیادی ضرورت قرار دیتے ہیں جب کہ ڈاکٹر صاحب کی علومِ قرآن میں مہارت کی حد یہ ہے کہ "غوث الاعظم" کی روحانی ہدایت اور شیخ طاہر علاؤالدین صاحب کی بے پایاں نوازشات اور توجہات کے باوجود قرآنی آیات کا ترجمہ بھی درست طور پر نہیں کر پاتے۔ چنانچہ :

۱ سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۸۹ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهٖ کا ترجمہ " مگر جب وہ ان کے پاس تشریف لے آتے تو ان کو نہ پہچانا (اور ان سے منکر ہو بیٹھے" کیا ہے۔ (تعمیرِ شخصیت ص ۲۳)

یہ اچھوتا ترجمہ ڈاکٹر صاحب کی لغتِ عربی اور دیگر علومِ قرآن میں مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اسی مہارت کی بنا پر ہی انھوں نے فاضل بریلوی اور پیر کرم شاہ صاحب کے ترجموں کو لائق اعتنا نہیں سمجھا۔ واضح رہے کہ فاضل

ڈاکٹر صاحب کو اگر دُودھ کا کوئی مٹکا مِلا ہے تو خالص دُودھ تقسیم فرمائیں ، سُنے سُنائے جُملے ، وضعی روایات اور جعلسازافراد سے لیا ہُوا زہر تریاق کے نام پر اس میں نہ ملائیں۔

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں :

"آج ہماری سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ قرآن اور اسلام کے داعی مبلّغ اور مفکر بہت سے ایسے لوگ ہو گئے ہیں جو فنِّ حدیث و روایت اور اس کی تفصیلات سے بالکل بے خبر ہیں" (تعمیر شخصیت ص ۴۸)

ان کا یہ ارشاد بالکل بجا ہے اور اس افسوسناک حقیقت کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ ادارہ منہاج القرآن کا بانی ، تفسیر منہاج القرآن کا مؤلّف اور فہم القرآن کا پُرجوش اور مقبولِ عوام مُقرر فنّ حدیث و روایت کی تفصیلات تو درکنار مبادی سے بے بہرہ ہے۔ فنِّ نقدِ حدیث کے لطیف و دقیق مباحث ایک طرف وہ تو احادیث کا صحیح ترجمہ کرنے سے عاجز ہے۔

مسند احمد میں حضرت عرباض رضؓ بن ساریہ کی روایت کردہ حدیث تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔ ملاحظہ ہو (۴/۱۲۷) البتہ حضرت ابوامامہ رضؓ کی روایت قدرے مختصر ہے۔ وہ کہتے ہیں :

قلت یا نبی اللہ ما کان اول امرک قال دعوۃ ابراھیم وبشری عیسی ورأت امی انہ یخرج منھا نور اضارت منھا قصور الشام۔

ڈاکٹر صاحب نے من قولہ سأخبرکم کا ترجمہ کرتے ہوئے من کا معنی تک کیا ہے۔ ان کا یہ نادر ترجمہ ہر پڑھنے والے طالب علم کو آمادۂ خندہ کردے گا۔

آخر میں دوبارہ گذارش ہے کہ یہ سطور اَلدِّین النَّصیحۃ کے پیش نظر لکھی گئی ہیں۔ راقم اپنے متعلق کسی غلط فہمی کا شکار نہیں۔ اسے یقین ہے کہ جو طالب علم بھی ڈاکٹر صاحب کی تصنیف لطیف کا سرسری مطالعہ بھی کرے گا حیران ہوتے بغیر نہ رہ سکے گا اور اسے ان کے اس ارشاد سے اتفاق کرنا ہی پڑے گا کہ :

" ہماری سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ قرآن اور اسلام کے داعی، مبلّغ اور مفکّر بہت سے ایسے لوگ ہو گئے ہیں جو فنِ حدیث و روایت

اور اس کی تفصیلات سے بالکل بے خبر ہیں۔"

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

وصلی اللہ علی سیّدنا محمد و الہ وصحبہ

اجمعین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ زندگی کے کسی بھی شعبہ میں کسی بھی ذمہ داری پر کوئی شخص اس وقت تک فائز نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اس متعلقہ شعبہ پر فائز ہونے کا اہل نہ ہو یعنی کسی بھی شعبہ کی ذمہ داری پر فائز ہونے کے لیئے در حقیقت اہلیت شرطِ قطعی ہے لیکن یہ کس قدر افسوس ناک اور دُکھ کی بات ہے کہ عوام کے نزدیک قوم کی دینی و مذہبی راہنمائی کے لیئے کوئی شرط نہیں ہے اور نہ ہی کوئی معیار، جب کہ دنیوی معاملات کا یہ حال ہے کہ اگر کوئی شخص وکالت کرنا چاہے تو اس کے لیئے ایل ایل بی ہونا شرط ہے۔ علاج معالجہ کرنا چاہے تو ایم بی بی ایس کی ڈگری رکھنا یا طبیہ کالج کا سند یافتہ ہونا ضروری ہے اور اگر کوئی معالج باقاعدہ سند یافتہ نہ ہو اور اس نے کلینک یا مطب کھول رکھا ہو تو وہ مستحق سزا ہوتا ہے لیکن افسوس اور صد افسوس کہ ہمارا دین اور مذہب کس مپرسی کے عالم میں ہے۔ جس شخص کا جی چاہے وہ جذباتی قسم کی تقریریں شروع کر دے اور تقریر و خطابت کی مہارت پیدا کر لے تو وہ عوام کا دینی و مذہبی پیشوا بن جاتا ہے۔ جس شخص کا کوئی اپنا پیشہ نہ چل سکے مثلاً ڈاکٹر ہو اور اس کی ڈاکٹری نہ چل سکے، وکیل کی وکالت نہ چلے تو وہ ڈاکٹری اور وکالت کو چھوڑ کر خطابت و تقریر میں کچھ مہارت پیدا کر لے اور کچھ ایکٹنگ بھی کرنا جانتا ہو تو نہ صرف عوامی سطح پر اسے قبول عام حاصل ہو جاتا ہے۔ بلکہ حکومتی سطح پر اس کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ اس کی علمی صلاحیت کبھی نہیں دیکھی جاتی بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ اسے عوام کس قدر چاہتے ہیں۔ جیسے فلمی ایکٹر کے لیئے محض اداکاری کا تجربہ اور گانے والوں کی آواز

کی موزونیت کو مدنظر رکھا جاتا، ایسے ہی پاکستان میں قوم کی دینی و مذہبی راہنمائی کرنے، نابغۂ عصر اور مفسرِ قرآن کہلانے کے لئے صرف تقریر کا فن ہی معیار ہو کر رہ گیا ہے۔ اس کے بعد وہ مذہبی تنظیم بھی بنا سکتا ہے۔ مذہبی راہنما اور رُوحانی پیشوا بھی کہلا سکتا ہے چاہے تو قرآن کی تفسیر کرنا شروع کر دے یا حدیث کی تشریح فرمانے لگے اور چاہے تو فتوے بھی صادر کرنے لگ جائے یا مسلمہ و اجماعی مسائل کے خلاف اجتہاد کر کے اُمتِ مسلمہ کے مجتمع شیرازے کو بکھیرنا شروع کر دے۔ اسے نہ کسی کی پرواہ ہے اور نہ ہی کسی قسم کی باز پرس کا کوئی اندیشہ۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان فکری انتشار کا مرکز اور طرح طرح کے متضاد افکار کی آماجگاہ بن کر رہ گیا ہے۔ جب کہ یہ صورت کسی بھی طرح لائق درگزر نہیں۔ اس کا سدّباب کرنا اور اس کی حوصلہ شکنی کرنا اہلِ علم حضرات کے فرائض کا ایک اہم حصّہ ہے۔

اس سلسلے میں بطورِ مثال ڈاکٹر اسرار احمد صاحب لاہور، ڈاکٹر کیپٹن مسعود عثمانی صاحب کراچی اور پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری صاحب لاہور، جیسی شخصیتیں پیش کی جا سکتی ہیں۔

قادری صاحب تو بنیادی طور پر وکیل (ایل ایل بی) تھے، جھنگ میں ایک عرصہ تک وکالت کرتے رہے اور کچھ نہ کچھ عربی بھی سیکھ لی تھی۔ پھر وکالت چھوڑ کر لاء کالج لاہور میں لیکچرر مقرر ہوئے۔ انہوں نے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو دیکھا کہ وہ اپنا اصلی پیشہ چھوڑ کر مصنوعی اور غیر حقیقی طور پر علماء کی صف میں شامل ہو گئے تھے اور ٹی وی پر درس دینے لگے ہیں اور شہرت حاصل کر لی ہے تو طاہر صاحب کو بھی شوق چرایا اور شہرت حاصل کرنے کا جذبہ تو پہلے ہی سے ودیعت تھا تو یہ صاحب بھی اپنا اصلی پیشہ چھوڑ کر محض فنِ تقریر اور زورِ خطابت کے بل بوتے پر علماء کی صف میں آ کھڑے ہوئے اور ڈاکٹر اسرار صاحب کی جگہ لینے کی جدوجہد کا آغاز کر دیا۔ ان کی طرح ایک تنظیم بھی بنائی۔ لیکن ڈاکٹر اسرار صاحب عورتوں، شیعہ مسلک اور حکومت کی مخالفت کی وجہ سے پس منظر میں چلے گئے۔ لہٰذا طاہر القادری صاحب نے اس کے برعکس عورتوں کی حمایت کرنے کا فیصلہ کر لیا تاکہ ان کی ہمدردیاں حاصل کر سکیں اور

ان میں ہر دلعزیز ہوں۔ اور شیعہ حضرات کو ساتھ ملانے کے لیئے انہوں نے ایران کا بھی دورہ کیا۔ آخر عقیدہ و مسلک کا تشخّص ہی سرے سے ختم کر ڈالا تاکہ دوسرے تمام مکاتبِ فکر کے لوگ بھی ان کی تحریک میں شمولیت اختیار کریں اور ممبر شپ فیس میں اضافہ کا باعث ہوں۔

چنانچہ وہ بہ صد افتخار فرماتے ہیں

"ہمارے ممبران میں دیوبندی، اہلِ حدیث اور شیعہ حضرات کی تعداد بیسیوں تک پہنچی ہے۔" (روزنامہ نوائے وقت میگزین ۱۹ ستمبر ۱۹۸۶ء)

نیز فرماتے ہیں

"ہمارے ادارے میں جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے لوگ بھی رُکن بن سکتے ہیں۔ اہلِ حدیث، شیعہ، دیوبندی اور مختلف مسالک کے لوگ منہاج القرآن کے رُکن ہیں۔"

(روزنامہ جنگ جمعہ میگزین ۲۷ فروری تا ۵ مارچ ۱۹۸۸ء)

پھر حال ہی میں موصوف کا جو انٹرویو سیالکوٹ سے شائع ہوا اور اسے موصوف کی طرف سے مفت تقسیم بھی کیا گیا اس کے ساتھ مولانا تقدس علی خان کا مراسلہ و جواب بھی منسلک ہے اس میں فرماتے ہیں۔

سوال:۔ آپ کے ادارہ منہاج القرآن میں اہل حدیث، دیوبندی، بریلوی اور شیعہ وغیرہ تمام مکاتبِ فکر کے افراد کی شمولیت ممکن ہے۔ آپ نے اپنی دعوت کا دائرہ اس قدر وسیع کیوں رکھا جب کہ اکثر دینی جماعتیں مسلکی تشخّص کو قائم رکھتی ہیں (مسلکی تشخص ان کے مخصوص عقائد کی اشاعت و تبلیغ ہے)

جواب:۔ (از طاہر صاحب) گزارش یہ ہے کہ جہاں تک دینی اور مذہبی جماعتوں اور ان کے طریق کار یعنی مسلکی تشخّص کی بنیاد پر دینی کام کا تعلق ہے

ہیں سنے ان پر کبھی اعتراض نہیں کیا۔ (پھر فرماتے ہیں) ہمارا طریقہ کسی کے کام پر تنقید کرنا نہیں ہے اور اللہ کا فضل ہے کہ ہم اپنے دل میں بھی کسی جماعت کے کام پر تنقید کا خیال تک نہیں لاتے۔" (اہم انٹرویو صفحہ ۳)

اس سلسلے میں راقم اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ کے ہی فتویٰ کو نقل کرنا کافی سمجھتا ہے امام اہلِ سنت مولانا الشاہ احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

"خود مصنف اقرار کرتا ہے کہ اسے کسی فریق (کسی مکتبِ فکر) سے مخالفت نہیں یہ بات لا مذہب بے دین ہی کی ہو سکتی ہے۔ جسے دین و مذہب سے کچھ غرض نہیں۔" الفضل الموہبی صفحہ ۵۱)

لہٰذا ضرورت پڑی بلکہ اسے راقم نے اپنا فرضِ دینی سمجھا کہ طاہر القادری صاحب کی شخصیت اور اس کے ادارہ منہاج القرآن کے ذریعے قرآن و سنت اور اسلام کی تعلیمات کو جو اسلاف و آئمہ دین مجتہدین کے ذریعے ہم تک پہنچیں۔ جو نقصان پہنچا ہے یا پہنچ رہا ہے اس سے عوام و خواص برادرانِ اسلام کو مدلل طور پر آگاہ کروں ؎

منظور ہے گذارشِ احوالِ واقعی
اپنا بیان حسنِ طبیعت نہیں مجھے

دُعا گو
غلام سرور قادری
گلبرگ لاہور

مرزا غلام احمد قادیانی کی سی چال

طاہر صاحب نے بالکل اسی طرح کی چال چلی ہے جس طرح کی چال مرزا غلام احمد قادیانی نے چلی تھی۔ اس نے پہلے ہی سے یکدم نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا بلکہ پہلے تو "ملہم" ہونے کا دعویٰ کیا کہ اس پر الہام ہوتا ہے، پھر وحی کے نزول کا دعویٰ کر دیا۔ پھر آخر کار نبوت کا مدعی بن بیٹھا۔ بعینہٖ یہی محترم طاہر القادری کا حال ہے کہ آپ نے حسبِ ترتیب اور یکے بعد دیگرے درج ذیل ارتقائی اعلانات فرمائے اور دعوے کئے۔

۱۔ نابغۂ عصر میں فرمایا کہ آپ اجتہاد کرنے کا شوق رکھتے ہیں اور تقلیدِ جامد کے قائل نہیں ہیں۔ یہ تقلیدِ جامد کی اصطلاح جو منکرینِ اتباعِ آئمہ کرام کی وضع کردہ ہے اختیار کر کے لوگوں کے دلوں سے آئمہ کی اتباع کے جذبہ کو مٹانا شروع کیا۔

۲۔ پھر عمرہ ادا کرنے گئے تو غارِ حرا تک پہنچنے کے لئے میاں نواز شریف اور اختر رسول صاحبان جیسے ملکی سطح بلکہ بین الاقوامی شہرت کے مالک حضرات کے کندھوں کی سواری فرمائی اور واپس آکر اتفاق مسجد کے خطبۂ جمعہ میں اس کا ڈھنڈورا پیٹا۔ تاکہ اس سے دنیا والوں کے ذہنوں میں کم از کم یہ تصور آہی جائے کہ طاہر القادری کس قدر اونچی اور علمی شخصیت کے مالک ہوں گے جنہیں ایسے ایسے لوگ بھی کندھوں پر اٹھانا فخر محسوس کرتے ہیں۔

۳۔ پھر منہاج القرآن سے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کی طرف اس بشارت کو منسوب کیا کہ آپ نے موصوف کو منہاج القرآن کے نام سے ادارہ بنانے کا حکم فرمایا۔ موصوف نے اس سے عوام و خواص کے ذہنوں کو اپنی طرف ایک بار پھر متوجہ کر دیا اور اپنی عظمت کو چار چاند لگا دیے

۴۔ پھر غارِ حرا میں فرشتہ کے نزول کا دعویٰ کیا اگر عوام شور نہ مچاتے اور کچھ لوگ سڑکوں پر نکل کر قادری صاحب کے پتلے کو نہ جلاتے تو شاید قادری صاحب اس کی تاویل و توجیہہ کرنے کی زحمت گوارا ہی نہ فرماتے کہ ان کی مراد فی الواقع فرشتہ نہ تھا بلکہ ایک انسان تھا جس نے وہاں ان کی خبر گیری کی تھی۔

۵۔ اس کے بعد جناب نے فروعی مسائل میں اجتہاد کی ضرورت پر زور دینا شروع کر دیا۔ چنانچہ وہ اپنے ایک رسالہ "اجتہاد کا دائرہ کار" میں لکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم آئمہ اربعہ کے وضع کردہ اصولِ اجتہاد کی روشنی میں اجتہاد کریں گے یہ الگ بات ہے کہ کہیں نتیجتاً ہماری فقہی رائے آئمہ اربعہ (میں سے جس کی ہم تقلید کرتے ہیں یعنی امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ) کی رائے سے مختلف و متصادم ہو جائے اس سے تقلید میں فرق نہیں آئیگا کیونکہ اصول میں ہم ان کی ہی پیروی کرتے ہیں۔ اصول انہی کے ہیں ہمارے نہیں، ہم ان کے اصولوں سے نہیں ہٹیں گے۔ یعنی ہم اپنے اصول نہیں بنا سکتے کیونکہ اس سے امت میں فتنہ کے اٹھنے کا اندیشہ ہے" (از ص۱۹ تا ۲۰)

۶۔ اجتہاد کے دعویٰ کے ساتھ حضرت الحاج میاں محمد شریف صاحب مدظلہ کی کوٹھی پر عورت کی نصف اور پوری دیت کے سلسلے میں ۸ ستمبر ۸۴ء کو منعقد کئے گئے مذاکرہ میں طاہر صاحب نے فقہاء آئمۂ اہلسنت کو بڑی جسارت کے ساتھ اپنا فریق قرار دے کر ان کے حوالوں کو سند کے طور پر تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اس طرح صحابہ و تابعین و اتباع تابعین و فقہاء اور آئمہ کے اجماعی مسئلہ کا انکار کر کے اجماع کے ہی منکر ہو گئے۔ ان کے یہ ٹیپ شدہ الفاظ اب بھی بے شمار لوگوں کے پاس موجود ہیں، خصوصاً راقم کے ہاں، جامعہ نعیمیہ، جامعہ نظامیہ، شاہ تراب الحق (کراچی)، اور دیگر بہت سے احباب کے ہاں یہ کیسٹ موجود ہے۔ ان کے اپنے الفاظ بلا کم و کاست ملاحظہ فرمائیں۔

پروفیسر طاہر القادری کا فقہاءِ اُمت اور ائمۂ اہل سنت کو اپنا فریق (مدمقابل) قرار دینا اور ان کے فیصلوں کو سند تسلیم کرنے سے کھلا انکار کرنا

پروفیسر موصوف نے اس مذاکرہ میں درج ذیل خیال کا اظہار کیا۔ ان کے اپنے الفاظ انہی کی آواز میں۔

"نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ حضرات! تمام مشائخ کرام۔ اس سلسلے میں عورت کی دیت کے بارے میں فقہاء و علماء کی اکثریت کا فیصلہ نصف دیت کے بارے میں موجود ہے اب چونکہ ایک طرف علماء و فقہا حضرات کا موقف موجود ہے دوسری طرف میں نے ایک طالب علم کی حیثیت سے اختلافی نقطۂ نظر عرض کیا ہے لہٰذا سب سے پہلے میں عرض کروں گا کہ اس نزاع کو رفع کرنے کا شرعی اسلوب کیا ہے؟ اس کے مطابق میں نے اس مسئلہ کو سوچا اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں۔ اسلوب عرض کر رہا ہوں۔ قرآنِ مجید میں ارشاد فرمایا گیا کہ یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ واولی الامر منکم فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ۔ اس میں تین اطاعتوں کا ذکر ہے۔ اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو۔ اور تم میں سے

جو اولی الامر ہیں۔ اطیعوا اللہ سے مراد کتاب کا حجت ہونا ہے، اطیعوا الرسول سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے اور اولی الامر یعنے صاحبانِ امر میں بلا شک وشبہ ہمارے آئمہ و مجتہدین آتے ہیں۔ اب آئمہ و مجتہدین کو تابع ہیں کتاب وسنت کے لہٰذا ان سے، نہ کتاب وسنت سے اختلاف کا کسی کو حق ہے۔ لیکن آئمہ و مجتہدین سے اختلاف کرنے کا ہر کسی کو از روئے شرع حق حاصل ہے۔ اگر ایسی صورت کوئی پیدا ہو جائے تو فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول۔ تنازع ہو جائے کسی مسئلہ پر تو اس کو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوٹایا جائے۔ اس لئے اس مسئلے کو سوچنے کا رُخ میں نے یہ اپنایا کہ بجائے اس کے علماء وفقہاء کی عبارات وتصریحات وفقہ کی کتابوں میں مندرج فیصلوں کو سند مان کر بات کی جائے اس کیس (دیت کے مسئلہ) میں وہ ایک فریق ہیں۔ اس مسئلہ میں وہ ایک فریق ہیں۔ ان کا ادب ان کا احترام ان کے پاؤں کی خاک بھی میری آنکھوں کا سرمہ ہے وہ اپنی اپنی جگہ قائم ہے اور ہم روحانی اعتبار سے ان کی اولاد ہیں اولاد سے بھی کم درجہ کے لوگ ہیں وہ اپنی جگہ قائم ہے چونکہ اس کیس میں وہ فریق ہیں۔ لہٰذا میں اس میں ان کے حوالہ جات تصریحات اور فیصلوں کو سند تسلیم نہیں کرتا۔ سند کتاب وسنت کو تسلیم کیا جائے گا۔"

(یہ الفاظ حضرت کاظمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سنائے گئے تھے تب انہوں نے طاہر القادری کے رد میں "اسلام میں عورت کی دیت" کتاب لکھی جس میں لکھا کہ نصف دیت پر صحابہ کا اجماع ہے اور تمام مجتہدین آئمہ اہلِ سنت کا بھی۔ اس کا منکر گمراہ ہے۔) (تصدیق کرنے والے علمائے کرام)

طاہر القادری کی اس کیسٹ کو میں نے خود سنا اس کی آواز ہے۔ یہی الفاظ من وعن اسی کے

میں نے اپنے کانوں سے سُننے میں تصدیق کرتا ہوں۔ ۱۔ مولانا خلیل اشرف قادری بہاولنگر۔ ۲۔ مولانا اللہ یار اشرفی بہاولنگر ۳۔ مفتی عبد القیوم ہزاروی لاہور۔ ۴۔ مولانا محمد رشید نقشبندی لاہور۔ ۵۔ مولانا حافظ عبد الستار لاہور ۶۔ مولانا عبد الرحمٰن جامی لاہور، ۷۔ مولانا مفتی محمد حسین قادری سکھر، ۸۔ مولانا ابو الاعجاز قادری لاہور۔ ۹۔ پروفیسر ظہیر الدین بابر لاہور۔ ۱۰۔ مولانا محفوظ الحق لاہور ۱۱۔ مولانا محمد یار قادری لاہور۔ ۱۲۔ مولانا محمد صدیق ہزاروی لاہور وغیرہم ان سب کے دستخط ہیں۔ جناب طاہر نے اپنے انٹرویو میں جسے انہوں نے ریاض حسین چوہدری کے نام سے "سنٹر اسلامک سٹڈیز سیالکوٹ ۳۳/۴ رنگ پورہ روڈ سیالکوٹ" شائع کرایا ہے۔ اس میں "مدمقابل" کے لفظ سے سوال کیا گیا ہے جبکہ موصوف نے آئمہ مجتہدین اہل سنت کے بارے میں لفظ "فریق" استعمال کیا اور لفظ فریق کے معنی "مدمقابل" کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتے۔ بلکہ آئمہ اہلسنت کو فریق کہنا نہ صرف گمراہی ہے بلکہ دین و ایمان سے بھی ہاتھ دھونا ہے۔

تمہید

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اس کے محبوب ترین پیغمبر حضرت محمد مصطفےٰ احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی آل اور آپ کے اصحاب اور تا قیامت آنے والے مسلمان اتقیاء پر بے شمار درود و سلام کے بعد، برادرانِ اسلام کی خدمت میں گذارش ہے کہ ہم کس قدر خوش قسمت ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے ہمیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت سے بنایا۔ پھر صحیح العقیدہ اہلِ سنت میں سے کر کے ہم پر مزید احسانِ عظیم فرمایا کہ اپنے حبیبِ پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ سے وہ کتاب عطا فرمائی جس کا نام اس نے خود ہی قرآنِ کریم، فرقان اور الکتاب یعنی کتابِ کامل رکھا، ایسی کتاب جس کی شانِ اعجازی کا یہ عالم کہ اس کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کے برابر بھی منکرین فصیح و بلیغ اور قادر الکلام ہونے کے باوجود نہ لا سکے۔

توضیح الکتاب

اس میں شک نہیں کہ احکام اسلام و ہدایات اسلام کا سرچشمہ قرآنِ کریم ہے۔ جس کی توضیح و تشریح کی ذمہ داری بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سونپی اور آپ نے حسبِ فرمانِ الٰہی اس کی تفسیر و توضیح بھی فرما دی۔ پھر مسلمانوں کو حکمِ عام دیا گیا کہ

فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ (انبیاء، آیت ۷) تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو۔

یعنی اس کے باوجود اگر تمہیں قرآن و سنت سے متعلق کوئی بات دریافت کرنا ہو تو ائمہ مجتہدین کی طرف رجوع کرو جو اپنی علمی و اجتہادی فکر اور تحقیقی قوت و صلاحیت و بصیرت سے قرآنِ کریم کا صحیح ادراک و فہم رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ائمہ دین سے سوال کرنے کا حکم صادر فرما کر قرآنِ کریم میں رائے زنی کا راستہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا۔

تفسیر بالرأی کی ممانعت

اللہ تعالیٰ کے محبوب پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محض اپنی رائے کے ساتھ اور من گھڑت طریقے سے قرآن کریم کی تفسیر کرنے سے نہ صرف منع فرمایا۔ بلکہ ایسے شخص کو دوزخی قرار دیا جو قرآن کی تفسیر و تشریح یا اس کے معانی اپنی رائے سے کرے اور جو تفسیر منقول و ماثور چلی آرہی ہے۔ اس کو ترجیح نہ دے بلکہ اس کے مقابلہ میں اپنی رائے سے کی گئی تفسیر و تشریح کو ہی ترجیح دے اور اپنے من گھڑت معنوں کو ہی فروغ دے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

من قال فی القران برأیه فلیتبوأ مقعده من النار۔ (مشکوٰۃ از ترمذی)

جس نے قرآنِ کریم کے معنوں میں اپنی رائے سے کوئی بات کہی اسے چاہیئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں سمجھے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جس نے قرآن کے معنوں میں اپنی رائے سے کچھ کہا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں سمجھے۔

شیخ المحققین علی بن سلطان القاری علیہ رحمۃ الباری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ

"جس نے قرآن کے معنوں یا اس کی قرأت کے بارے میں اہلِ لغت و اہلِ عربیّت میں سے ائمہ کرام کے اقوال جو قواعد شرعیہ کے مطابق ہیں کی اتباع

کئے بغیر اپنی طرف سے اپنی عقل و فکر کے تقاضا کے مطابق کچھ کہا تو وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں سمجھے کیونکہ قرآن کی تشریح و تفسیر اور اس کے معانی میں انسان کی ذاتی رائے کا کوئی دخل نہیں۔ بلکہ اس کا تعلق نقل سے ہے جو اسلاف سے ہم تک پہنچی۔ پس معلوم ہوا کہ علمِ تفسیر نقل سے حاصل ہوتا ہے یا ائمہ کے اقوال سے یا عربی گرامر کے قواعد سے یا ان اصولی قواعد سے جن کی بحث اصولِ فقہ میں یا اصول دین میں کی جاتی ہے۔ امام ابن حجر فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ وعید کی حقدار اہلِ بدعت و گمراہوں کی تفسیریں ہیں جنہوں نے قرآن کریم کے لفظ کے مدلول و مراد کو ہی اڑا دیا یا معنی کے اثبات اور نفی دونوں امروں میں اسے غیر مدلول اور غیر مراد پر محمول کیا۔ پس وہ دلیل اور مدلول دونوں میں خطا کار ہیں۔ جیسے عبدالرحمٰن بن کیسان الاصم وجبائی وعبدالجبار و رمانی اور زمخشری وغیرہم ایسے لوگوں کی تفسیریں ہیں۔ ان میں سے کچھ اپنے سنجیدہ کلام میں تفاسیرِ باطلہ اور بدعتوں کو داخل کرتے ہیں۔ پس ان کو اکثر اہل سنت پر رواج دیتے ہیں۔ جیسے صاحبِ کشاف اور ان لوگوں کے قریب قریب ابنِ عطیہ کی تفسیر ہے بلکہ امام ابن عرفہ مالکی اس کی بڑی مذمت فرماتے تھے اور فرماتے کہ ابنِ عطیہ صاحبِ کشاف سے بدتر ہے کیونکہ صاحبِ کشاف کے اعتزال کو ہر شخص جانتا ہے تو اس سے بچتا ہے۔ ابن عطیہ کے برعکس کیونکہ یہ لوگوں کو مغالطہ میں ڈالتا ہے کہ وہ اہلِ سنت سے ہے"۔ (مرقاۃ ج ۱ ص ۲۳۸/۲۳۹)

اور حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

من قال فی القرآن برأیہ	جس نے قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہا
فاصاب فقد اخطأ (ترمذی)	پھر اس کا کہا اتفاق سے ٹھیک نکلا جب

بھی اس نے خطا کی۔

مفسر کا علم

یعنی اس نے شریعت کی رو سے خطا کی اور گنہگار رہا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو بیان کرنے کے لئے مفسر کو کچھ شرائط کا جامع ہونا چاہیئے اور وہ یہ کہ قرآن کی تفسیر کرنے والے کو پندرہ علوم پر عبور حاصل ہونا چاہیئے۔ لغت[1]، نحو[2]، صرف[3] اور اشتقاق[4] کا علم ہونا چاہیئے۔ کیونکہ کسی اسم کا اشتقاق جب دو مادوں سے ہو تو دو مختلف مادوں کے اختلاف کی وجہ سے معنی بھی مختلف ہو جائیں گے۔ مثلاً لفظِ مسیح کو لے لیجئے۔ اس میں احتمال ہے کہ یہ سیاحت سے ہو جس کے معنی سیر کرنے اور چلنے کے ہیں۔ ایسی صورت میں مسیح اسم مفعول کا صیغہ ہو گا۔ بمعنی اسم فاعل، یعنی سیر کرنے اور چلنے والا اور یہ احتمال بھی ہے کہ یہ مَسَحَ سے مشتق ہو جس کے معنی کسی شئی پر ہاتھ پھیرنے کے ہیں تاکہ اس کا اثر اس شئی تک پہنچے۔ یا اس شئی کا اثر ہاتھ تک پہنچے۔ اور مَسَحَ فِي الْاَرْضِ سے ماخوذ ہو تو اس کے معنی زمین پہ چلنے کے بھی ہیں۔ غرضیکہ ایک لفظ ہے۔ لیکن تعدد مادہ کے احتمال سے اس کے معنی بھی متعدد ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح مفسر کے لئے ضروری ہے کہ اسے علمِ معانی، بیان، بدیع قرأت، اصول فقہ، اصولِ حدیث، اسبابِ نزول، قصص، (تاریخ)، ناسخ و منسوخ، فقہ، کلام (عقائد) اور احادیثِ مبینہ، احادیثِ مجمل کے علم پر عبور ہونا چاہیے۔ لیکن جناب طاہر القادری صاحب کی کتابیں پڑھتے اور اس کی تقریروں کی کیسٹیں سننے سے اہلِ علم و تحقیق جو درسِ نظامی پر عبور رکھتے ہیں پر واضح ہو جائے گا کہ موصوف ان علوم میں سے کسی ایک علم پر بھی عبور نہیں رکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ قرآنِ کریم و حدیث شریف وغیرہما کے معانی و تراجم میں جگہ جگہ ٹھوکریں کھاتے اور جو اپنی فکرِ ناقص میں آتا ہے کہتے چلے جاتے ہیں یہ تک معلوم کرنے کی توفیق نہیں ہوتی کہ جو معنی وہ کئے جا رہے ہیں اسلاف سے منقول

بھی ہیں یا نہیں۔ ہمیں تو ائمہ تفسیر نے یہی تعلیم دی ہے اور انہوں نے خود بھی اسی احتیاط کو ملحوظ رکھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم قرآن و سنت میں مرادِ الٰہی اور مرادِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کچھ کہہ جائیں اور خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر افترا کرنے والے ٹھہریں اور دوزخی قرار پائیں۔ چنانچہ علامہ امام محمود آلوسی تفسیر روح المعانی میں سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۵۵ میں لفظ " وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ " کے متعدد معانی کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ تم اس بات کو دیکھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اس سوال کو پورا کر دیا جو تم نے اس سے حصول رؤیت (دیدار) کے بارے میں کیا تھا اس کے بعد لکھتے ہیں کہ

لکن هذا الوجه غير منقول فلا اجسر على القول به وان كان اللفظ يحتمله	لیکن یہ معنی اسلاف سے منقول نہیں ہے لہٰذا میں اس کا یہ معنی کرنے کی جسارت نہیں کر سکتا اگرچہ لفظ اس معنی کا احتمال رکھتا ہے۔
(تفسیر روح المعانی ج ۱ ص ۲۶۲)	

سبحان اللہ! قارئین! غور فرمائیے ہمیں بزرگوں سے تعلیم یہ ملی ہے اور گذشتہ حدیثوں سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ قرآنِ کریم کے معنی میں انتہائی احتیاط کی جائے اس کے ایک ایک لفظ کے معنی میں بار بار غور کیا جائے۔ اسلاف کے تراجم و تفاسیر پر غور کیا جائے عجلت اور جلد بازی نہ کی جائے۔ اگر خدانخواستہ ایک غلطی بھی ہو گئی تو آنے والی بے شمار نسلیں اس غلطی میں مبتلا ہو کر، اس غلط ترجمے کرنے والے صاحب کے لئے خدا تعالےٰ کے ہاں زبردست بوجھ اور زبردست گرفت و عذاب کا باعث ہوں گی۔

جناب طاہر القادری کی تفسیرات نو

اغلاط وخرافات سے پرہیں ہی۔ مگر افسوس کہ دیگر نئے تراجم وتفاسیر بھی جو حال ہی میں پچھلے چند سالوں سے مارکیٹ میں آئے ہیں بے شمار معنوی وتحقیقی اغلاط پر مشتمل اور مخالفین اہلِ سنت کے تراجم وتفاسیر سے استفادات پر مبنی ہیں یا دران کو قرآن کا جمال اور قرآن کی ضیا کا نام دیا جارہا ہے اور چونکہ نام سنیوں کا ہے اس لئے سنی حضرات ان نئی تفاسیر تراجم پر انحصار کر رہے ہیں۔ جس کا نتیجہ علمی واعتقادی مغالطوں کی صورت میں برآمد ہوگا۔ کیونکہ ان تراجم میں نہ تو مسلک حق کا حسن وجمال ہے اور نہ ہی نور وضیا۔ بلکہ ظلمت وتاریکی کا زیادہ امکان ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ اور یہ ڈاکٹرز حضرات آج کے دور میں قرآن وسنت کی تعلیم کا جس طرح حلیہ بگاڑ رہے ہیں (خدا کی پناہ) اس کا اندازہ آپ کو ڈاکٹر پروفیسر طاہر القادری کی ان تحریفات سے ہوگا جو ہم قارئین کے لئے پیش کر رہے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے اور دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس سادہ لوح قوم اور خصوصاً بھولے بھالے سُنیوں کو ان کی دین اور قرآن کے نام پر کی گئی فریب کاریوں سے محفوظ رکھے اور حق وباطل میں تمیز کرنے والی بصیرت عطا فرمائے۔ آمین۔

مفسّرِ قرآن کون ہو سکتا ہے؟

کس قدر تعجب بلکہ افسوس کا مقام ہے کہ ایک شخص کی علمی صلاحیّت و استعداد اس حد تک کمزور ہو کہ وہ "لَمَا" اور "لَمَّا" کے الفاظ اور ان کے معنوں کے درمیان تفریق و تمیز تک نہیں کر سکتا۔ پھر وہ دنیا بھر میں درسِ قرآن دیتا پھر رہا ہے اور قوم آنکھیں بند کر کے اس پر اپنی دولت بے دریغ ضائع کر رہی ہے۔

حالانکہ قرآنِ کریم کی تفسیر کرنے اور اس کے درس دینے کا اسی شخص کو حق حاصل ہے جو علمِ حدیث پر عبور رکھتا ہو اور ناسخ و منسوخ سے آگاہ ہو اور جسے لغاتِ عرب پر بھی عبور ہو۔ چنانچہ امام محمود آلوسی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ

فَمَنْ لَمْ یَکُنْ عَالِما بلغات العرب لایحل له التفسیر کما قاله مجاهد وینکل کما قاله مالك و هذا مما لاشبهة فیه۔	جو شخص عرب کی لغات پر عبور نہ رکھتا ہو اس کے لیے قرآن کی تفسیر کرنا حلال نہیں جیسا کہ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور ایسے شخص کو سزا دی جائے گی جیسا کہ امام مالک نے فرمایا اور اس کے حق ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔
(روح المعانی ج ۱ صہ ۵)	

عربی زبان پر عبور نہ رکھنے والوں کو قرآن کی تفسیر کرنے اور درس دینے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے

امام مجاہد رضی اللہ عنہ کا ارشادِ گرامی سب مسلمانوں کو دل کے کانوں سے سننا پھر یاد رکھنا چاہیے کہ جو شخص عربی زبان پر عبور

نہیں رکھتا اسے قرآنِ کریم کی تفسیر کرنا ناجائز و حرام ہے اور حرام کا ارتکاب گناہِ کبیرہ ہے اور گناہِ کبیرہ کی اجازت کسی بھی اسلامی ریاست میں نہیں دی جا سکتی۔ لہٰذا امام مالک رضی اللہ عنہ کے ارشادِ گرامی کی روشنی میں پروفیسر طاہر القادری صاحب، ڈاکٹر اسرار احمد اور اسی قسم کے لوگ جو بنیادی طور پر میڈیکل ڈاکٹر یا وکیل یا کچھ اور تھے مگر انہوں نے اپنے پیشے کو چھوڑ کر قرآن کے علوم سے کھیلنا شروع کر دیا۔ انہیں ہرگز ہرگز اس بات کی اجازت نہیں ہونی چاہیئے کہ محض فنِ تقریر و زورِ خطابت کی بنا پر دین اور ملک و قوم میں فتنے برپا کرتے پھریں۔

حکومت کی ذمّہ داری

حکومتِ پاکستان جو اسلامی ریاست ہونے کا دعویٰ کرتی ہے اس پر خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فرض ہے۔ "قرآنِ کریم اور حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور فقہِ اسلامی" کو ایسے وکیلوں، پروفیسروں اور ڈاکٹروں سے تحفظ دے۔ اور اس کا بہترین طریقِ کار یہ ہے کہ حکومت ایسے علماءِ دین کا ایک بورڈ بنا دے جو پاکستان کے مشہور و معروف دینی مدارس میں حدیث و تفسیر اور فقہ کی کامل مہارت رکھتے اور کم از کم بیس سال ان علوم کا تجربۂ تدریس رکھتے ہوں اور ان علوم کو تا حال پڑھاتے چلے آ رہے ہوں۔ وہ بورڈ تمام دینی و مذہبی نوعیت کی طبع ہونے والی کتابوں کا مطالعہ کرے اور جائزہ لے اور مستقل طور پر اس کا کام ہی یہی ہو۔ جو کتاب یا لٹریچر آئمہ دین و مجتہدین اہلسنت جن کی شخصیتیں مسلمہ ہیں کی اجماعی آراء کے خلاف مواد پر مشتمل ہو اس کے خلاف کارروائی کی جائے اور آئندہ مصنف کی تصنیف و تالیف کی طباعت ممنوع قرار دے دی جائے۔

تفسیرِ قرآن کے لیئے کس قدر علم ضروری ہے

علامہ آلوسی علیہ الرحمۃ تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں کہ " جب تک کسی کو عربی لغات ، علم معانی ، بیان ، بدیع ، اصولِ حدیث و اصولِ فقہ ، عقائد و کلام ، قراۃ و تجوید ، صرف و نحو اور فقہ پر عبور نہ ہو۔ اس وقت تک اسے قرآن کی تفسیر اور حدیث کی تشریح و تعبیر کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا ، اگر کرے گا تو خود بھی ہلاکت میں پڑے گا اور دوسروں کو بھی ڈالے گا۔"

(روح المعانی ج ۱ صہ ۶/۵)

اور پروفیسر صاحب کی کتابیں و رسائل دیکھنے اور ان کا براہِ راست، خطاب شریف سننے اور سمجھنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ان مذکورہ علوم پر انہیں عبور ہونا تو بڑی بات ہے وہ ان علوم سے ضروری تک بھی واقف نہیں ہیں پھر مفکرِ اسلام و مفسرِ قرآن ہونے کا دعویٰ ۔ حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ قرآنِ کریم کی تحریف معنوی کرنے والے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ و افترا باندھتے ہیں جو گناہِ کبیرہ اور جرمِ عظیم و گمراہی ہے جس کی سزا یہ ہے کہ ایسے مفتری لوگ کبھی بھی عذابِ الیم سے نہیں بچ سکیں گے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :-

" اِنَّ الَّذِیۡنَ یَفۡتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ لَا یُفۡلِحُوۡنَ

(یونس آیتہ ، النحل آیت ۱۱۶)

ترجمہ :- بے شک جو لوگ اللہ تعالےٰ پر جھوٹ و افترا باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہوں گے ۔

طاہر القادری مجتہد بنتے ہیں مگر عربی صحیح پڑھنا نہیں آتی

طاہر القادری مجتہد تو بنتے ہیں مگر مبلغ علم کا یہ حال ہے کہ عربی صحیح پڑھنا نہیں آتی اور عربی گرامر تک سے واقف نہیں۔

جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا۔ طاہر القادری صاحب بنیادی طور پر ایک وکیل ہیں علوم عربیہ سے ناواقف ہیں اور وہ بے جا ایک عالمِ دین کا رُوپ اختیار کر کے لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں ان کی کتابیں تضادات اور اغلاط کا مجموعہ ہیں۔ بعض اوقات وہ کفریہ الفاظ تک بول جاتے ہیں۔ اس کا ثبوت آگے چل کر ہم خود ان کی کتابوں سے پیش کریں گے۔ سردست ہم یہ ثبوت پیش کرنے لگے ہیں کہ علوم عربیہ سے ناواقف ہیں اور اس سوال کرنے میں ہم حق بجانب ہیں کہ جس شخص کو صحیح عربی پڑھنا نہ آئے وہ مجتہد کیسے ہو سکتا ہے اور اسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم دین کی ذمہ داری کیسے سونپ سکتے ہیں؟

طاہر القادری صاحب کو صحیح عربی پڑھنی بھی نہیں آتی اور نہ ہی ان میں قرآنِ کریم کا صحیح ترجمہ کرنے کی صلاحیت ہے یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جس کا ناقابلِ تردید ثبوت کیسٹ کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے۔ جامعہ نعیمیہ اور جامعہ نظامیہ میں بھی موجود ہے۔ ۸ ستمبر ۱۹۸۴ء کے مذاکرہ میں پروفیسر و مجتہد صاحب نے درج ذیل عبارتیں غلط پڑھیں۔

۱۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الاکلیل کے صفحہ ۷۹ میں سے ایک عبارت میں لفظ "سواءٌ" کو پیش کے ساتھ پڑھا جو کہ غلط ہے۔ اسے "سَوَاءً" زبر کے ساتھ پڑھنا چاہیئے تھا۔

۲۔ امام جصاص کی کتاب احکام القرآن کی عبارت۔ **وقد كان تحمل الديات** " میں لفظ "تحمل" کو "تَحَمُّلُ" پڑھا، پھر اٹک

گئے اور دوبارہ میم کی شد کے ساتھ یعنی "تُحَمَّلُ" پڑھا، یعنی اس لفظ کو دوبار پڑھا اور دونوں بار غلط پڑھا۔ جب کہ صحیح تلفظ "تَحَمُّلُ" ہے اور یہ مصدر ہے مگر مجتہد صاحب نے اس کو بصیغۂ فعل مضارع مجہول پڑھا۔ کیسٹ سُن لیجئے۔ نیز اسی کیسٹ میں علامہ صاحب نے یہ جھوٹ بالا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل عورت کی دیت عرب کے رواج میں سو اونٹ تھی حالانکہ تاریخِ عرب میں لکھا ہے کہ پچاس اونٹ تھی۔

(ملاحظہ ہو المفصل فی تاریخ ماقبل الاسلام ج ۵ ص ۵۹۳)

۳۔ اس کے بعد پروفیسر صاحب نے احکام القرآن کی ایک اور عبارت پڑھی۔ "وكان ذلك مما يعد من جميل" اس میں لفظ "یعد" کو "یَعُدّ" پڑھا جو غلط ہے جب کہ اس کا صحیح تلفظ "یُعَدُّ" ہے

۴۔ پھر موصوف نے یہ عبارت پڑھی اور اس میں ایک ہی لائن میں دو فحش غلطیاں کیں جو عربی کے عام طالب علم بھی نہیں کریں گے وہ عبارت یہ ہے "واطلاق اسم الدية انما يقع على المتعارف المعتاد" یہاں خطِ کشیدہ الفاظ میں سے لفظ "یقع" کو انہوں نے قاف کی کسرہ یعنی زیر کے ساتھ پڑھا۔ حالانکہ صحیح تلفظ قاف کی فتح یعنی زبر کے ساتھ ہے یعنی یَقِعُ نہیں بلکہ یَقَعُ ہے۔ لیکن پروفیسر صاحب نے اس کو غلط پڑھنے کا نیا ریکارڈ قائم فرمایا۔ پھر جناب "اَلْمُعْتَاد" کو "اَلْمُتْعَاد" پڑھتے رہے۔ یعنی صحیح تلفظ میں عین پہلے ہے اور تا بعد میں مگر مجتہد صاحب نے اسے اُلٹ کر دیا اور ستم یہ کہ ترجمہ میں بھی اس کا تلفظ غلط کرتے رہے یعنی معتاد کی بجائے متعاد کہتے رہے۔

کیسٹ اور پروفیسر صاحب کی آواز خود ہی سن لیجئے۔ اگر ہم ذرہ بھر بھی غلط کہتے ہیں تو

اہلِ علم حضرات جو چاہیں ہماری سزا تجویز کریں ہمیں منظور ہوگی اور اگر یہ کیسٹ حقیقت پر مبنی ہو تو ایسے نا اہل شخص کو اس کے جھوٹے دعووں سے علانیہ توبہ کرائیں۔ اور حکومت نا صرف اس کے ٹی وی کے پروگرام بند کر دے بلکہ اس کو دی گئی ایک سو ساٹھ کنال اراضی بھی واپس لے لے اور اس کی تحریک منہاج القرآن پر پابندی لگا دے ۔ کیونکہ اس قسم کی تحریکیں جن کے بانی صحیح العقیدہ اور صحیح عالمِ دین نہ ہوں لوگوں کی گمراہی کا باعث بنتی ہیں نیز اس کی کتابیں اور رسالے جو حکومتِ پنجاب نے سکولوں، کالجوں یونیورسٹیوں کی لائبریریوں کے لئے منظور کیا ہوا ہے اس آرڈر کو واپس لے۔

۵۔ پھر جناب نے سید سابق کی کتاب فقہ السنۃ میں عربی عبارت پڑھی تو اس میں واقع اللہ تعالیٰ کے نام مبارک کے ساتھ لفظ سبحانہٗ کو نون کی کسرہ یعنی زیر کے ساتھ پڑھتے رہے ۔ یعنی سبحانِہ وتعالیٰ۔ جب کہ صحیح تلفظ نون کی زبر کے ساتھ ہے یعنی سبحانَہٗ وتعالیٰ، مگر مجتہد صاحب نے خدا تعالیٰ کے نام کا غلط تلفظ کر کے دنیا میں پہلا ریکارڈ قائم کیا۔

۶۔ پھر موصوف نے سنن نسائی شریف کی حدیث شریف پڑھی۔ اس میں واقع عبارت "ان شئت ان تؤدی مایۃ من الابل" کو غلط پڑھا۔ اس میں حدیث کی خط کشیدہ عبارت کو "اِن تُؤَدّی" پڑھا جو غلط ہے پھر راقم نے اصلاح کر کے مجتہد صاحب کو کم از کم حدیث کی عبارت صحیح پڑھنے پر مجبور کر دیا اور گزارش کی کہ اسے "اَنْ تُؤَدِّیَ" پڑھیے۔ تب مجتہد صاحب نے اسے دوبارہ صحیح پڑھا اور راقم سے معذرت بھی چاہی۔ یہ ریکارڈ پر موجود ہے۔ ٹھنڈے دل سے سوچئے کہ مجتہد صاحب نے اس رات کو جو عبارتیں پڑھیں سب کا یہی حال تھا یہ نمونہ کے طور پر چھ ثبوت عرض کئے ہیں اور اس کے علاوہ جھوٹ بولے جس کی ایک مثال ابھی گزری ہے کہ عرب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے عورت کی دیت سو اونٹ تھی حالانکہ عرب کی تاریخ میں پچاس اونٹ لکھی ہے جس کا حوالہ ابھی گزرا۔

سلسلۂ تحریفاتِ قرآن

قارئین! اب سلسلۂ تحریفات وخرافات کو ملاحظہ فرمائیں جو جناب طاہر القادری نے قرآن وسنت وفقہاءِ امت اور ائمہ اہلسنت کی عبارات وارشادات میں روا رکھا۔ یہ سلسلۂ تحریفات ہی نہیں۔ بلکہ قرآن وسنت اور اسلام کے ساتھ بدترین مذاق ہے۔ جس کی مثال آپ کو زمانہ ماضی میں کہیں بھی نہیں ملے گی۔ اگر ملک میں اسلامی نظام نافذ ہوتا تو یقین فرمائیے کہ ایسے شخص کو اسلامی عدالت میں سب سے بڑے مجرم کی حیثیت سے پیش کیا جاتا۔ کیونکہ قرآن وسنت کے ساتھ ایسا مذاق سب سے بڑا جرم ہے۔

تحریف نمبرا :- پروفیسر صاحب اپنی کتاب "سورۂ فاتحہ اور تعمیر شخصیت" کے صفحہ ۲۱ پر سورۂ اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ، کا آخری حصہ " اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ط کا ترجمہ یوں کرتے ہیں "بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا ہے"۔ حالانکہ اس کا صحیح ترجمہ یوں ہے۔ "بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔" (کنز الایمان اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ)۔ کیونکہ "تَوَّاب" "فَعَّال" کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے۔ جس کا معنی ہے "بہت توبہ قبول کرنے والا"۔ اسم مبالغہ وہ اسم ہے۔ جس میں معنی وصفی کی کثرت اور زیادتی پائی جاتی ہے۔ جیسے رَازِقْ (رزق دینے والا) یہ اسم فاعل ہے اور اسی سے رَزَّاق مبالغہ ہے جس کے معنی ہیں، "بہت رزق دینے والا"۔

کسی بھی لفظ کے ترجمہ یا معنی کا معیار

اس میں شک نہیں کہ کسی بھی لفظ کے ترجمہ یا معنی کے

صحیح یا غلط ہونے کا معیار عربی زبان کے قواعد وضوابط ہی ہو سکتے ہیں۔ یعنی اگر یہ معلوم کرنا ہو کہ فلاں لفظ کا جو ترجمہ یا معنی کیا گیا ہے وہ صحیح ہے یا غلط، تو عربی گرامر کی طرف رجوع کرنا ہو گا۔ آئیے۔ " تَوَّاب " کا معنی بھی عربی گرامر کی روشنی میں دیکھئے کہ آیا اس کا معنی " توبہ قبول کرنے والا " جو پروفیسر صاحب نے کیا ہے صحیح ہے یا " بہت توبہ قبول کرنے والا " جو اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے وہ صحیح ہے۔ اس سلسلے میں عربی گرامر کی مشہور کتاب " مراح الارواح " جو ہم طالب علموں کو پڑھاتے ہیں اور وہ سالہا سال سے درسِ نظامی میں پڑھائی جاتی ہے۔ اس میں لکھتے ہیں۔

" یَجِیْءُ لِلْمُبَالَغَۃِ نَحْوُ صَبَّارٍ " یعنی اسم فاعل مبالغہ کے لئے آتا ہے جیسے " صَبَّار " (مراح الارواح صہ ۲۵) بہت صبر کرنے والا، تو، تَوَّاب اور صَبَّار " دونوں کا ایک ہی وزن ہے۔ مصنف نے " صَبَّار " کا لفظ بول کر ایک قاعدہ بتا دیا کہ اس وزن پر آنے والا اسم فاعل مبالغہ کے ہی معنی دیا کرتا ہے۔

اس کی شرح میں امام شمس الدین احمد بن سلیمان، عُرف علامہ ابن کمال باشا علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں " صَبَّارٍ " ای کثیر الصبر۔ یعنی صَبَّار کے معنی ہیں " بہت صبر کرنے والا " (الحنیفہ شرح مراح الارواح صہ ۱۲۰)

اور الفلاح شرح مراح الارواح میں مزید واضح کر کے لکھتے ہیں

فیجیئ علی وزن فعّال، بفتح الفاء وتشدید العین نحو صَبَّار ای کثیر الصبر (الفلاح صہ ۱۰۹)

یعنی اسم فاعل " فعّال " کے وزن پر ف کی زبر اور عین کی شد کے ساتھ، مبالغہ کے لئے آتا ہے۔ جیسے صَبَّار، فَعَّال کے وزن پر، بہت صبر کرنے والا۔

لہٰذا "تَوَّاب" بھی اسم فاعل، مبالغہ کے لئے ہے۔ جس کے معنی ہیں" بہت توبہ قبول کرنے والا"۔ امام قاضی بیضاوی اپنی تفسیر میں جو" تفسیرِ بیضاوی" کے نام سے مشہور ہے اور درسِ نظامی میں شامل ہے لکھتے ہیں۔

"اَلتَّوَّابُ" الرجّاع علیٰ عِبَادِہٖ بالمغفرۃ او الّذی یکثر اعانتھم علی التوبۃ"

"یعنی "توّاب" کے معنی ہیں، اپنے بندوں پر بخشش کے ساتھ بہت رجوع کرنے والا یا وہ ذات جو توبہ پر بندوں کی بہت مدد کرے"۔

(بیضاوی ج ۱ ص۵ مع القرآن)

نیز تفسیر بیضاوی کے شارح علامہ امام شیخ زادہ رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ

"قَالَ الامام، المراد من وصف اللہ تعالیٰ بالتوبۃ بِالتَّوَّاب، المبالغۃ فی التوبۃ۔"

یعنی امام صاحب نے فرمایا کہ یہ جو لفظ تَوَّابُ کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کی صفت کی جاتی ہے اس سے مُراد توبہ (قبول کرنے) میں مبالغہ ہے۔

(شیخ زادہ شرح بیضاوی ج ۱ ص ۲۷۱)

لیجئے، مفسرین کرام بھی یہی فرما رہے ہیں کہ "تَوَّاب" کے معنی میں مبالغہ ہے۔ اس لئے اس کا معنی ہوگا۔ "بہت توبہ قبول کرنے والا"، نہ کہ "توبہ قبول کرنے والا"۔ لہٰذا دلائل کی روشنی میں "تَوَّاب" کے معنی "بہت توبہ قبول کرنے والا" ہوئے۔ اس کے برعکس اس کا معنی "توبہ قبول کرنے والا" کرنا، قرآن کریم کے معنوں میں کمی یا تحریف کرنا ہے۔" جس کا پروفیسر صاحب نے ارتکاب کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پروفیسر طاہر القادری صاحب، صرف و نحو (عربی گرامر) سے ضرورت کی حد تک بھی واقف نہیں ہیں۔ اس کے باوجود جناب کا یہ دعویٰ کہ میں نے درسِ نظامی مکمل پڑھا ہے اور یہ دعویٰ بھی کہ انہیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے، دین کی خدمت کرنے کا حکم دیا ہے"

سچائی پر مبنی معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے پاک ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے شخص کو دین کی خدمت سونپیں اور قرآن وسنت کی تعلیم و تشریح کا حکم دیں جو عربی زبان کے قواعد تک سے صحیح طور پر شناسا نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک پیش گوئی:-

اس موقع پر مجھے صحابیٔ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم، سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک پیش گوئی یاد آئی ہے جسے ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا:

سَتَجِدُونَ اَقْوَامًا یزعمون انھم یدعونکم الی کتاب اللہ وقد نبذوہ وراء ظھورھم۔ الخ

(سنن الدارمی ج ۱ ص ۵۰)

تم آنے والے زمانہ میں کچھ لوگوں کو پاؤ گے جن کا دعویٰ ہوگا کہ وہ انہیں اللہ کی کتاب (قرآن) کی طرف بلاتے ہیں حالانکہ انہوں نے اسے اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا ہوگا۔

(سنن دارمی ج ۱ ص ۵۰)

یعنی وہ خود قرآن کے علوم سے ناواقف اور روحِ عمل سے دور ہوں گے لیکن وہ تمہارے سامنے اپنے آپ کو قرآن کا عالم و مفسر ظاہر کریں گے۔

جناب محمودالحسن صاحب دیوبندی کی معنوی تحریفِ قرآن

قارئین! اگرچہ راقم کا مقصد صرف جناب پروفیسر طاہر القادری کی معنوی تحریفِ قرآن کی نشان دہی کرنا ہے۔ تاہم ضمنی طور پر یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ اسی قسم کی معنوی تحریفیں کچھ اور لوگوں نے بھی کی ہیں۔ ان میں سے علماء دیوبند کے بزرگ جناب محمودالحسن صاحب دیوبندی بھی ہیں، ان کا ترجمہ قرآن بھی اس قسم کی تحریفوں پر مشتمل ہے۔ محمودالحسن صاحب

"اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا" کا ترجمہ اس طرح فرماتے ہیں "بے شک وہ معاف کرنے والا ہے" محمود الحسن صاحب نے غلطی یا معنوی تحریف یہ فرمائی ہے کہ "تَوَّاب" کا معنی "معاف کرنے والا" کر ڈالا۔ یعنی توبہ کا معنی معافی سے کر گئے اور یہ بات عربی کی معمولی سی سمجھ رکھنے والا شخص بھی جانتا ہے کہ لفظ "تَوَّاب" توبہ سے ہے اور معاف کرنے والا، "عفو" سے ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام "عَفُوًّا" آتا ہے۔ اور "عَفُوًّا" کے معنی "درگذر کرنے اور معاف کر دینے کے ہیں۔ توبہ اور عفو میں فرق یہ ہے کہ توبہ کے معنی رجوع کرنے کے ہیں اور تواب اس کو کہیں گے جو رجوع لانے والے بندے کے رجوع (توبہ) کو بہت ہی قبول کرنے والا ہو۔ اس کے معنی میں بندے کا رجوع لانا شامل ہے۔ "عفو" کے معنی درگذر کرنے اور معافی دے دینے کے ہیں۔ خواہ بندے کے رجوع لانے کے بعد یا رجوع لانے سے پہلے ہی از خود معاف کر دے۔ مثلاً کئی ایک گنہ گار توبہ کے بغیر مر جاتے ہیں اس کے باوجود ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دے۔ تو یہ اس کی شانِ عفو کا مظاہرہ ہوگا۔ لیکن اس کی شانِ توّاب کا مظاہرہ اس وقت ہوگا جب کوئی بندہ دنیا میں ہی اپنی غلطی پر نادم ہوا اور آئندہ غلطی نہ کرنے کا عہد کرتے ہوئے معافی کا خواستگار ہوا اور اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دے۔ جب دونوں یعنی توّاب اور عَفُوٌ کے معنی ایک دوسرے سے مختلف قرار پائے تو ان میں سے کسی بھی ایک کے معنی کی جگہ دوسرے کے معنی کو رکھ دینا غلط اور تحریفِ معنوی ہے۔

تحریف نمبر ۲

پروفیسر طاہر القادری کی، تحریفِ قرآن کریم کی ایک اور بدترین بلکہ بدترین سے بھی بدترین مثال ملاحظہ فرمائیے۔ موصوف اپنی اسی کتاب "سورۃ فاتحہ اور تعمیرِ شخصیت" کے صفحہ ۲۲ پر سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۸۹ کا ایک حصہ لکھتے ہیں اور ساتھ ہی اس کا ترجمہ بھی فرماتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

وَكَانُوا يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ۔ (بقرہ ۸۹)

(ترجمہ) اور اس سے پہلے وہ اسی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے سے کافروں پر فتح طلب کرتے تھے مگر جب وہ ان کے پاس تشریف لے آئے تو ان کو نہ پہچانا اور ان کے منکر ہو بیٹھے۔

اس ترجمہ کو غور سے ملاحظہ فرمائیے اور پروفیسر صاحب کا یہ دعوٰی بھی مدِنظر رکھیے۔

"منہاج القرآن نے تہیہ کیا ہوا ہے کہ عہدِ حاضر کے جدید تقاضوں کے مطابق کتاب وسنت کی تعلیمات کی ایسی توجیہہ اور تشریح وتعبیر کی جائے جو قدیم سے مطابقت رکھتے ہوئے آج کے مسائل کا قابلِ عمل حل اُمتِ مسلمہ کے سامنے رکھ دے۔"

(ماہ نامہ منہاج القرآن ماہِ اپریل ۱۹۸۷ء ۱۱ صفحہ ۴)

لیجیے قرآن وسنت کی جدید تعبیر کا نمونہ دیکھیے اور اس دور کے مفسرِ قرآن پر قوم جو لاکھوں روپے نثار کر رہی ہے اس کا نیک ثمرہ بھی پائیے۔ سبحان اللہ! کیا ہی ترجمہ فرمایا "مگر جب وہ ان کے پاس تشریف لے آئے تو ان کو نہ پہچانا اور ان سے منکر

ہو بیٹھے۔" اس میں "نہ پہچانا اور" دو غلطیوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے تحریفِ قرآن کریم کی بد سے بدترین مثال ہے۔ ایک تو ترجمہ اُلٹا کیا گیا ہے کیونکہ مثبت کو منفی بنا دیا گیا ہے۔ جب کہ اس کا صحیح ترجمہ یوں ہے۔

"تو جب تشریف لایا ان کے پاس وہ جانا پہچانا (نبی و رسول)، اس سے منکر ہو بیٹھے۔" (کنز الایمان، اعلیٰ حضرت)

حقیقت حال یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے، اہلِ کتاب آپ سے متعلق اپنی اپنی کتابوں میں بہت کچھ پڑھ چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اوصافِ کریمہ، سابقہ کتابوں میں مذکور تھیں اور اس قدر تفصیل سے مذکور تھیں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے قبل اچھی طرح جانتے پہچانتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے فتح و نصرت کی دعا کرتے تھے اور خود قرآنِ کریم میں ایک اور جگہ یوں ارشاد فرمایا گیا ہے

اَلَّذِیْنَ آتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَاءَھُمْ ط (بقرہ ۱۴۶)	"جنہیں ہم نے کتاب عطا فرمائی وہ اس نبی کو ایسا پہچانتے ہیں۔ جیسے آدمی اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہے۔"

(بقرہ ۱۴۶) (کنز الایمان اعلیٰ حضرت)

اس آیت سے واضح ہے کہ اہلِ کتاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتے تھے اور اس جان پہچان کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہو بیٹھے۔ لیکن پروفیسر صاحب نے پہلی آیت کا ترجمہ اُلٹا کر کے کلامِ الٰہی کو آپس میں ٹکرا دیا۔ جس سے لازم آتا ہے کہ یہ کلامِ الٰہی نہ ہو۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔

کیونکہ خود قرآنِ کریم فرما رہا ہے کہ

وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ	اور اگر وہ (قرآن) غیرِ خدا کے پاس

غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا۔ (النساء ۸۲) سے ہوتا تو ضرور اس میں بہت اختلاف پاتے۔

یعنی اگر یہ غیر خدا کا کلام ہوتا تو اس میں ٹکراؤ ہوتا، لیکن اس میں کوئی ٹکراؤ نہیں لہٰذا یقیناً یہ خدا تعالیٰ کا ہی کلام ہے۔ مگر پروفیسر صاحب کلامِ الٰہی کا من گھڑت ترجمہ کر کے، اس کے درمیان ٹکراؤ پیدا کر رہے ہیں۔ تاکہ دشمنانِ اسلام ایک عرصہ کے بعد ان کے متضاد ترجمہ کے ذریعے قرآنِ کریم کی آیتوں کے درمیان تضاد و ٹکراؤ کا ثبوت پیش کر سکیں۔ ذرا غور تو فرمائیں کہ کس جسارت سے یہ ترجمہ فرما رہے ہیں۔

"جب وہ ان کے پاس تشریف لے آئے تو ان کو نہ پہچانا اور ان سے منکر ہو بیٹھے۔"

اس میں ایک تو ثبت کا ترجمہ، منفی سے کر ڈالا۔ پھر اس میں لفظ "اور" اپنی طرف سے بڑھا دیا۔" جب کہ قرآن کریم تو اہلِ کتاب کو اس بات پر زیادہ ہی مجرم قرار دے رہا ہے کہ وہ ایک جانے پہچانے نبی کے منکر ہو بیٹھے۔ مگر پروفیسر صاحب " ان کو نہ پہچانا اور ان سے منکر ہو بیٹھے"۔ ترجمہ کر کے نہ صرف خدا تعالیٰ کے ارشاد کو جھٹلا رہے ہیں۔ بلکہ اہلِ کتاب کی صفائی پیش کر کے، ان کے وکیلِ صفائی بن گئے ہیں۔ لاحول ولا قوّۃ الا باللہ۔

پروفیسر طاہر القادری ما موصولہ اور ما نافیہ کا فرق تک نہیں جانتے

اس سے واضح ہو گیا کہ پروفیسر طاہر القادری صاحب عربی گرامر سے اس حد تک ناواقف ہیں کہ "ما" موصولہ اور "ما" نافیہ کا فرق تک نہیں جانتے۔ کیونکہ انہوں نے کلامِ خداوندی میں واقع عبارت "مَا عَرَفُوْا" میں "ما" کو نفی کا سمجھ لیا۔ پھر

دیکھا کہ اس سے ترجمہ ناقابلِ فہم بن جاتا ہے، لہٰذا اسے قابلِ فہم بنانے کے لئے ایک اور معنوی تحریف کرڈالی کہ اس میں لفظ "اور" کا اضافہ کردیا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

حالانکہ یہ "ما" موصولہ ہے۔ نافیہ نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو۔ امام نسفی فرماتے ہیں۔

" ما "موصولة " (تفسیر مدارک ج ۱ صفحہ ۶۱)۔

یعنی لفظ " ما " موصولہ ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

ما موصولة، فاعل جآءہم، والآیة محذوف ای ماعرفوه، یعنی محمدا صلی اللّٰہ علیه وسلم عرفوه بنعمته فی التوراة۔

ما موصولہ ہے۔ جآءہم فعل کا فاعل ہے اور آیت میں حذف ہے۔ یعنی جسے وہ پہچانتے تھے یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ وہ آپ کی تورات میں واقع تعریف سے آپ کو پہچانتے تھے۔

(تفسیر مظہری ج ۱ صفحہ ۹۵)

امام علاء الدین خازن اپنی تفسیر خازن میں فرماتے ہیں کہ

ماعرفوا ای الذی عرفوه یعنی محمدا صلی اللّٰہ علیه وسلم۔ عرفوا نعته وصفته وانه من غیر بنی اسرائیل۔

(خازن ج ۱ صہ ۸۲)

ان کے پاس وہ آگیا جسے وہ پہچانتے تھے یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، وہ آپ کی تعریف وتوصیف کو (توراۃ کے ذریعے) جانتے تھے۔ اور انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ آپ بنی اسرائیل سے نہ ہوں گے۔

اسی طرح دیگر تفاسیر میں ہے۔ ملاحظہ ہو۔ تفسیر ابی السعود ج ۱ صفحہ ۱۲۸ و تفسیر روح المعانی ج ۱ صفحہ ۳۲۔ لیکن دورِ جدید کے مفسر کو ان تفاسیر سے کیا واسطہ وہ تو علماء

محققین وائمہ مجتہدین کو اپنا فریق مخالف قرار دے کر ان کے حوالوں کو سند ماننے سے کھلا انکار کر چکے ہیں۔ ملاحظہ ہو پروفیسر طاہر القادری صاحب کا وہ خطاب جو انہوں نے ۸ ستمبر ۸۴ء کو میاں محمد شریف صاحب کی کوٹھی واقع ماڈل ٹاؤن میں علماء کے اجتماع میں ارشاد فرمایا۔ اس کی کیسٹ جامعہ نظامیہ، جامعہ نعیمیہ و جامعہ غوثیہ لاہور میں موجود ہے۔

جناب طاہر القادری کی کیا بات ہے۔ یہ تو ائمہ دین، مجتہدین و فقہاءِ دینِ متین کی کرامت ہے کہ جو شخص ان کے راستہ کو چھوڑتا ہے۔ خدا تعالیٰ اسے ذلت کے گڑھے میں پھینکے بغیر نہیں چھوڑتا، لہٰذا عورت کی دیت اور شہادت وغیرہ ایسے اجتماعی مسائل کا انکار اور کلامِ الٰہی کی معنوی تحریف کرنے کے بعد پروفیسر صاحب اور آنکھیں بند کر کے ان کا ساتھ دینے والے حضرات خدا کے حضور کیا جواب دیں گے؟

جب سرِ محشر وہ پوچھیں گے بُلا کے سامنے
کیا جواب جرم دو گے خدا کے سامنے

(نوٹ) راقم نے طاہر القادری کی جس کتاب "سورۂ فاتحہ اور تعمیرِ شخصیت" سے یہ حوالے نقل کئے ہیں اس کا یہ تیسرا ایڈیشن ہے جو ماہِ نومبر ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا جس کی پروف ریڈنگ ان کے منہاج القرآن کے مفتی و صدر مدرس جناب مولانا حافظ محمد خاں نے فرمائی راقم نے جناب طاہر کے بہت ساتھیوں کو یہ حوالہ دکھایا اور ان سے گزارش کی کہ آپ لوگ ایسے شخص کا ساتھ دے کر بڑی غلطی کر رہے ہیں جو قرآن کا صحیح ترجمہ تک نہیں جانتا۔ عربی گرامر تک سے ناواقف ہے اور اس لئے قرآن و سنت اور اسلام کی تعلیمات کو مسخ کر رہا ہے باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ انھوں نے طاہر صاحب کو یہ حوالہ دکھایا۔ جس پر انہوں نے کہا اچھا ہم تصحیح کر کے دوبارہ چھاپتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اسے ایک اور نئے ایڈیشن کے ساتھ صحیح کر کے شائع کیا ہے۔ مگر اس طرح کرنے سے طاہر صاحب کی علمی کمزوریوں کا ازالہ تو نہیں ہو گا۔

تحریفِ قرآنِ کریم نمبر ۳

ایک اور بدترین مثال

جناب طاہر القادری نے قرآنِ کریم کی جو معنوی تحریف کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے اس کی ایک اور بدترین مثال ملاحظہ فرمائیں۔ درج ذیل آیت پھر اس کا جو ترجمہ فرماتے ہیں۔

وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ۔ (ترجمہ) اور وہ اُجرت عطا کرتا ہے اور خود اپنی کسی نعمت پر اجرت نہیں لیتا۔

(سورۃ المؤمنون : ۸۸)

(تسمیتہ القرآن صفحہ ۱۰۱)

طاہر القادری صاحب اس تسمیتہ القرآن کے آغاز میں لکھتے ہیں۔

"میں اپنی زیرِ تالیف تفسیر "منہاج القرآن" کا ایک ایک حرف اور ایک ایک جزء حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں بطور ہدیہ پیش کرتا ہوں۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ بے کس پناہ میں کوئی بھی ہدیہ پیش کرنے والا کسی طرح کا ہدیہ پیش کرے تو عقیدت و محبت اور اس بارگاہ کی عظمت و جلالت کی نسبت سے ذمہ داری کا تقاضا یہ ہے کہ وہ وہی ہدیہ پیش کرے جس کے پیش کرنے کی اس میں اہلیت اور لیاقت ہو۔ ورنہ وہ ہدیہ پیش کرنا نہ ہوگا بلکہ ایسے بے باکی اور جسارت بے جا بلکہ اس بارگاہِ بے کس پناہ کے حضور، سوءِ ادبی اور گستاخی متصوّر ہوگی۔

اور جناب طاہر القادری کا اس کتاب کا ایک ایک حرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کرنا جب کہ وہ اس کی اہلیت اور لیاقت نہیں رکھتے بلاشبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں سوءِ ادبی اور گستاخی کا ارتکاب قرار پاتا ہے۔ اور نہ صرف

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں، بلکہ اللہ تعالیٰ جس کا یہ کلام مقدس ہے۔ اس کی شان میں اور خود کتابِ مقدس قرآنِ کریم کی شان میں بھی گستاخی قرار پاتا ہے اور میرے خیال میں اس گناہ میں وہ تمام سرمایہ دار بھی شامل ہیں جو اپنے سرمایہ کو اس نااہل کے اشاروں پر پانی کی طرح بہاتے پھر رہے ہیں ان سے بھی اس کا مواخذہ ہوگا۔

کس قدر غضب کی بات ہے کہ یہ شخص قرآن کے نام پر لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے اور ان تک قرآنی تعلیمات کو مسخ کر کے پہنچا رہا ہے۔ یہ ترجمہ؟

وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ۔ اور وہ اُجرت عطا کرتا ہے اور خود اپنی کسی نعمت پر اُجرت نہیں لیتا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ یہ ترجمہ، خدا تعالیٰ پر بہتان اور اسی کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر بہتان اور قرآنِ کریم کی بدترین تحریف ہے یہ ترجمہ پڑھ کر صاحبِ علم کا دماغ چکرا جائے۔ یہ عجیب وغریب معنیٰ ومفہوم نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نہ وہاں تک کسی صحابی کے ذہن کی رسائی ہوئی اور نہ ہی آئمہ مجتہدین و محدثین ومفسرین کی سمجھ شریف میں یہ معنیٰ آئے جو نام نہاد منہاج القرآن کے نام نہاد مفکر مجتہد کی عقل عیار میں سمائے۔

آئیے! امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کا ترجمہ شریف بھی ملاحظہ فرمائیے۔

"اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے خلاف کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔"

(کنز الایمان اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ)

علمِ صرف کا ایک ادنیٰ اور مبتدی درجہ کا طالب علم بھی جانتا ہے کہ آیتِ کریمہ میں لفظ "یجیر" فعل مضارع معروف مثبت ہے اور یہ بابِ افعال سے ہے۔ اس کا ماضی "اَجَارَ" یعنی اس نے پناہ دی اور اس کا مضارع ہے "یُجِیْرُ" یعنی وہ پناہ دیتا ہے یا دے گا۔ اور اس کا مضارع منفی معروف

"لَا یُجِیْرُ" ہے یعنی وہ پناہ نہیں دیتا یا نہیں دے سکتا۔ اور اس کا مجہول "لَا یُجَارُ" ہے یعنی وہ پناہ نہیں دیا جاتا۔ لیکن جب اس کے بعد اس کا صلہ لفظ "عَلٰی" آتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں کسی کے خلاف پناہ دینا۔ لہٰذا "وَھُوَ یُجِیْرُ" کے معنی ہیں اور وہ پناہ دیتا ہے اور "وَلَا یُجَارُ عَلَیْہِ" کے معنی ہیں اور اس کے خلاف کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا یا اس کے خلاف کسی کو پناہ نہیں دی جا سکتی" اور اس کا اسم فاعل "مُجِیْرٌ" آتا ہے۔ یعنی پناہ دینے والا اور اس کا فعل امر "اَجِرْ" ہے یعنی پناہ دو۔

اور اس کا مادہ جوار ہے یعنی یہ اجوف واوی ہے "اَجَرَ" مہموز الفاء نہیں ہے لیکن قربان جائیے پروفیسر علامہ اور ڈاکٹر کہلانے والے جناب طاہر القادری پر جو قادری کیا ہیں قادریت کے دامن پر ایک بدنما داغ ہی ہیں۔ ان کے تراجم آیاتِ قرآنیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے تفاسیر قرآن تو درکنار ترجمۂ قرآنِ کریم بھی نہیں پڑھا۔ اور جو تراجم احادیث اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ موصوف علمِ حدیث سے بھی سو فیصد کورے ہیں۔ موصوف کی دوسری غلطیوں کے جو انبار لگے ہوئے ہیں ان سے قطع نظر یہی ایک غلطی ان کے سرپرستوں، معاونین اور رفقاء کی آنکھیں کھولنے کو کافی ہے اگر انہیں اس شخص سے محض دین کی وجہ سے تعلق ہے تو اس اتمامِ حجت کے بعد جو راقم کی طرف سے کی جا رہی ہے اس شخص کا تعاون نہ صرف چھوڑ کر الگ ہو جانا چاہیئے بلکہ نام نہاد منہاج القرآن کے لئے ۱۶۲ کنال قطعہِ اراضی بھی اس نا اہل سے واپس لے لینا چاہیئے۔ بلکہ جملہ مراعات جو علم کے نام پر اسے دے رکھی ہیں بلا تاخیر واپس لے لینی چاہیئں۔ تاکہ قرآن وسنت کی تحریف اور دین کی تعلیمات کو مسخ کرانے کے گناہ میں وہ شامل نہ ہوں اور مجھے امید ہے کہ میری اس بے لاگ تحقیق و تبصرہ سے اربابِ انصاف حقائق کو نظر انداز نہیں کریں گے۔

زمانہ جانبِ انصاف ڈھل ہی جائے گا
اُمید واثق ہے حال کھُل ہی جائے گا

آمدم برسرِ مطلب، جناب طاہر نے قرآن کریم کے لفظ "یُجِیْرُ" کو "اجر" سے ماخوذ سمجھ لیا۔ اس لئے اسی کتاب "تسمیۃ القرآن" کے صفحہ ۱۰۲ پر لکھتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ کا اجیر و معطی ہونا اس حدیث سے کتنا واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا" اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِي "

ع ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیئے!

جناب نے اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں ایک "اَجِیْرٌ" نئے نام کا اضافہ فرما دیا۔ یہ ادارہ منہاج القرآن کی نئی دریافت اور مفکرِ اسلام کی اجتہادی کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ چودہ سو سال کے بعد اللہ تعالےٰ کے ایک نئے نام "اَجِیْرٌ" کو ڈھونڈ نکالا۔ اب تک تو تمام اہلِ اسلام "اَجِیْر" کے معنی اجرت لینے والے اور مزدور کے سمجھتے رہے۔ لیکن اب یہ اللہ تعالیٰ کا نام بھی قرار پا گیا جبکہ یہ صاحب اس کی پہلے نفی کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی سے اُجرت لے پھر اب یہ اس کا نام بھی قرار پا گیا

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

جناب طاہر کا قرآن کریم کی آیت "وَهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ" کا ترجمہ، اس طرح کرنا "اور وہ اُجرت عطا کرتا ہے اور خود اپنی کسی نعمت پر اُجرت نہیں لیتا۔" "اَجِیْر" جس کے معنی مزدوری لینے والے اور مزدور کے ہیں، کو اللہ تعالیٰ کے اسماءِ گرامی میں شامل کرنا اور اسے "مُعْطِي" کا مترادف ٹھہرانا، بدترین جہالت بھی ہے اور جناب کے قرآن و حدیث سے قطعاً ناواقف ہونے کا لاجواب ثبوت بھی۔ کیونکہ یہ لفظ قرآنِ کریم میں متعدد مقامات پر آیا ہے۔ ملاحظہ ہو قرآنِ کریم سے ثبوت :-

۱۔ يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوْبِكُمْ ترجمہ (ایمان لاؤ) کہ وہ تمہارے

وَيُجِرْكُمْ مِنْ عَذَابٍ أَلِيْمٍ — گناہ بخش دے اور تمہیں دردناک عذاب سے پناہ دے۔ (سورہ احقاف آیت ۳۱)

اس میں لفظ "یُجِرْ" دراصل "یُجِیْرُ" تھا۔ جواب امر میں فعل مضارع واقع ہو تو اس پر جزم آتی ہے۔ لہٰذا التقائے ساکنین ہوا جس کے نتیجے میں "یا" گر گئی۔ "یُجِرْ" اور "یُجِیْرُ" کا ایک ہی معنی ہے یعنی بچا لے گا اور پناہ دیگا

۲۔ وَهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ۔ (سورۃ المومنون ۸۸) — اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے خلاف پناہ نہیں دی جا سکتی۔

۳۔ فَمَنْ يُجِيْرُ الْكَافِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ أَلِيْمٍ۔ (سورۃ الملک ۲۸) — پس کافروں کو دردناک عذاب سے کون پناہ دے سکتا ہے۔

جناب طاہر صاحب کے ادارہ منہاج القرآن کے فیضان کی روشنی میں شاید اس کا ترجمہ یوں ہو گا۔ "پس کافروں کو دردناک عذاب سے کون اُجرت دے سکتا ہے"۔

۴۔ قُلْ إِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ أَحَدٌ۔ (سورۃ الجن ۲۲) — کہہ دیجئے مجھے اللہ سے ہرگز کوئی نہیں بچا سکتا (یا کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔

۵۔ وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ۔ (سورہ توبہ ۶) — اور اگر کوئی مشرک تجھ سے پناہ کا طالب ہو تو اسے پناہ دیجئے۔ (حتیٰ کہ وہ اللہ کے کلام کو سنے)

اس میں "أَجِرْ" کے معنی ہیں "پناہ دے"۔

یہ پانچ مثالیں قرآنِ کریم سے عرض کی ہیں جن سے واضح ہے کہ "یُجِیْرُ" کے معنی اُجرت دینے کے نہیں، پناہ دینے کے ہیں۔ لیکن طاہر صاحب کے حافظہ میں یہ آیتیں نہیں تھیں۔ کیونکہ انہوں نے ترجمۂ قرآن پڑھا ہی نہیں ورنہ ایسی غلطی

ممکن ہی نہ تھی۔

احادیثِ مبارکہ سے ثبوت

۱۔ صحیح بخاری میں حضرت عمار بن یاسر و حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مناقب میں ہے۔

أَلَيْسَ فِيكُمُ الَّذِي أَجَارَهُ اللهُ مِنَ الشَّيْطَانِ يعني على لسان نبيه صلى الله عليه واله وسلم۔

(ترجمہ) کیا تم میں وہ شخص (عمار بن یاسر) نہیں ہے جسے اللہ نے شیطان سے پناہ دی یعنی اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس پر۔

(صحیح البخاری ج ۱ صفحہ ۵۲۹)

اس حدیث میں لفظ "اجار" "یُجِیرُ" کی ماضی ہے، جس کے معنی پناہ دینے کے ہیں اجرت دینے کے نہیں لیکن جناب طاہر القادری کی تحقیق جدید کی رو سے اس کا معنی ہوگا "جسے اللہ نے شیطان سے اُجرت دی" لاحول ولا قوۃ۔

۲۔ اور یہی لفظ "یُجِیرُ" جو قرآنِ کریم میں آیا ہے، حدیثوں میں بکثرت وارد ہوا۔ اس کے معنی کہیں بھی اجرت دینے کے نہیں آتے ہیں۔ چنانچہ سنن ابن ماجہ شریف میں ہے۔

وَيُجِيرُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ أَدْنَاهُمْ وَيَرُدُّ عَلَى الْمُسْلِمِينَ أَقْصَاهُمْ الخ

اور مسلمانوں میں سے کمتر درجہ کا شخص ان کے خلاف پناہ دے سکتا ہے اور ان کا بعید ترین شخص ان پر مالِ غنیمت کو لوٹاتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ صفحہ ۱۹۷ الایات)

اس حدیث میں لفظ "یُجِیرُ" وارد ہوا جس کے معنی پناہ دینے کے ہیں لیکن طاہر صاحب اس سے کورے ہیں لیکن اس کے باوجود بھی جناب کو اجتہاد کرنے

کا شوق بے چین کئے ہوئے ہے۔

۳۔ اور صحیح ترمذی میں ہے۔

وَ يُجَارُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔ (صحیح ترمذی ج ۱ صفحہ ۱۹۹) اور شہید کو قبر کے عذاب سے پناہ دی جاتی ہے۔

لیکن منہاج القرآن کے نام نہاد مجتہد مفکر کے نزدیک تو اس حدیث کے معنی یوں ہوں گے " اور شہید کو قبر کے عذاب سے اجرت دی جاتی ہے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ دیدہ دانستہ قرآنِ کریم کے ایک حرف کا غلط معنی کرنے پر بھی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت ناراض ہوتے ہیں اور جو شخص قرآنِ کریم کا ایک لفظ ہی نہیں۔ ایک آیت کا ہی نہیں بلکہ متعدد آیات کے ترجمے غلط کر کے دنیا کو اپنا مفسر قرآن ہونا باور کرائے اور ان کتابوں کی لاکھوں روپے آمدنی بتائی جاتی ہو۔ وہ کتنا بڑا مجرم ہو گا۔ ایسا شخص تو امداد و اعانت کا نہیں کوڑوں کا مستحق ہے۔

سنا ہے کہ ان کے ایک دوست نے جو خیر سے ان کی طرح ڈاکٹر مگر علمِ دین سے نرے کورے ہیں اس کے باوجود انہیں پیرِ طریقت کہلانے کا شرف بھی حاصل ہے انہیں خوشخبری سنائی ہے جسے منہاج القرآن نے جناب طاہر صاحب کی مدح سرائی میں چھاپ بھی دیا ہے کہ انہیں مدینہ شریف سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت فرمائی ہے کہ تم منہاج القرآن جاؤ۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ بقول حضرت علامہ مدظلہ العالی " ایک ڈاکٹر کے دوسرے ڈاکٹر سے دُنیوی مفادات وابستہ ہیں بالخصوص رائے ونڈ روڈ کے کنارے پر واقع قطعۂ اراضی کا معاملہ، جس کے مقدمات ڈاکٹر صاحب کے خلاف عدالت میں زیرِ سماعت ہیں۔ آخر ان سے جان چھڑانے پھر لاکھوں سے کروڑوں کمانے کے لئے انہیں ڈاکٹر طاہر قادری کے ذریعے اقتدارِ اعلیٰ جو جناب

کے اشارے اور سفارش پر گھومتا ہی نہیں، ان کی گاڑی کا دروازہ بھی اپنے دستِ اعلیٰ سے کھولتا ہے، تک رسائی اور سفارشِ خاص کی ضرورت ہے۔"

قارئین! پریشان نہ ہوں۔ ابھی تو ڈاکٹر صاحب کو ڈاکٹر طاہر صاحب کے حق میں محدود پیش گوئی پہنچی ہے جب ان کے کام نکلنا شروع ہوئے۔ اس وقت خدا جانے خوشخبریوں کا سلسلہ کہاں تک پہنچے گا ؎

ابھی سے اہلِ دانش کیوں پریشانِ تکلّم ہیں
ابھی شرحِ جنوں کی بات ہے محدودِ عنواں تک

جیسے ڈاکٹر طاہر قادری کے قرآن و سنت کے معنوں میں تحریفات اور فقہی مسائل میں غلط بیانات کے واقعات خود ڈاکٹر طاہر قادری کی بشارتوں کو جھٹلاتے ہیں۔ یوں ہی دوسرے ڈاکٹر صاحب کے بیانات کی بھی تکذیب و تغلیط کرتے ہیں۔

اب دونوں ڈاکٹر صاحبان کے بارے میں دانشمندانِ اہلسنت کا تأثر اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے؟

جنوں زائل ہوا، ہوش آگیا، صحت ہوئی ہم کو
بڑے عیّار ہو تم اب تو ہم اتنا سمجھتے ہیں"

تحریف نمبر ۴

پروفیسر صاحب اسی کتاب "سورۃ فاتحہ اور تعمیرِ شخصیت" کے صفحہ ۲۹ پر قرآن کی سورۃ انفال کی آیت ۲۴ لکھتے اور ترجمہ فرماتے ہیں۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اسْتَجِیْبُوا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ ط

(ترجمہ) اے ایمان والو جب تمہیں اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پکاریں تو تم فوراً جواب دیا کرو۔

(الانفال ۲۴)

پروفیسر صاحب نے اس آیت میں بیک وقت دو غلطیاں کر ڈالیں ایک تو یہ کہ "لِمَا یُحْیِیْکُمْ" کا ترجمہ چھوڑ دیا، شاید موصوف اسے سمجھ ہی نہیں سکے۔ اور دوسری تحریف یہ فرمائی کہ آیت کریمہ میں واقع لفظ "دعا" کو تثنیہ کا صیغہ سمجھ کر اس کا ترجمہ تثنیہ والا کر لیا۔ اور غالباً، الف کی وجہ سے دھوکہ کھا گئے کیونکہ تثنیہ کے آخر میں بھی الف ہوتا ہے لیکن جناب نے چونکہ علم صرف (عربی گرامر) پڑھی ہی نہیں اس لئے انہیں یہ معلوم ہی نہیں کہ باب دعا، یدعو، ناقص واوی ہے اور اس کے ماضی کا تثنیہ دعا نہیں، "دَعَوَا" آتا ہے اور یہ باتیں تو اساتذہ کرام دینی مدرسوں کے مبتدی طلبہ کو زبانی یاد کراتے ہیں۔ چنانچہ صرف کی مشہور کتاب "علم الصیغہ کے صفحہ ۵۲ پر گردان یوں لکھی ہے۔ دَعَا، دَعَوَا، دَعَوْا، تا آخر چونکہ پروفیسر صاحب نے "دعا" کو تثنیہ کا صیغہ سمجھ کر زبردست غلطی کھائی۔ اس لئے ترجمہ بھی غلط کر ڈالا کہ "جب تمہیں اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پکاریں۔" لاحول ولا قوۃ۔ حالانکہ "دعا" صیغہ واحد مذکر ہے اور اس میں "ھُوَ" ضمیر مرفوع متصل، فاعل ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹتی ہے۔ چنانچہ مفسرین بھی یہی لکھ رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو، علامہ آلوسی لکھتے ہیں۔

(اِذَا دَعَاکُمْ) اَی الرَّسُوْلُ — ترجمہ:- جب تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلائیں۔
(روح المعانی ج ۹ صفحہ ۱۶۹)

اور امام ابن جوزی فرماتے ہیں

"اذا دعاکم" ای الرسول۔ صلی اللہ علیہ وسلم — (ترجمہ) جب تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلائیں۔
(تفسیر زاد المسیر ج ۳ صفحہ ۳۳۸)

اور امام قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں کہ

(اذا دعاکم) الرسول، افرد الضمیر لما ذکرنا ولان دعوۃ اللہ یسمع من الرسول۔ صلی اللہ علیہ وسلم — اس کا معنی یہ ہے کہ جب تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلائیں۔ ضمیر کو مفرد کیا اس کی وجہ ہم ذکر کر چکے ہیں اور اس لئے کہ خدا تعالیٰ کا بُلاوا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی سُنا جاتا ہے
(تفسیر مظہری ج ۴ صفحہ ۶۴)

اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، امام اہلِ سنت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں جو گرامر کے تقاضوں کو صحیح طور پر پورا کرتا ہے۔

"جب رسُول تمہیں اس چیز کے لئے بلائیں جو تمہیں زندگی بخشے۔"

(کنز الایمان ترجمہ اعلیٰ حضرت)

ناظرین، اس بات کو بھی ساتھ ساتھ ذہن شریف میں رکھیں کہ پروفیسر صاحب نے قومی ڈائجسٹ ماہِ نومبر ۱۹۸۶ء کو انٹرویو دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ "خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ادارہ منہاج القرآن کے قائم کرنے اور دین، امت، سنت کی خدمت اور اسلام کی سربلندی کے لئے کام کرنے کا مجھے حکم فرمایا اور اس کی ذمہ داری میرے کندھوں پر ڈال دی۔" اس کے ساتھ ساتھ پروفیسر صاحب کی عربی دانی اور قرآن فہمی کا جائزہ

بھی لیتے چلئے کہ جناب نے قرآنِ کریم کی عبارت میں واقع لفظ " دعا " کو کچھ سے کچھ سمجھ لیا اور اس کا معنی بھی کچھ سے کچھ کر ڈالا۔ اس کے بعد انصاف سے کہئے کہ کیا ان کی بشارتیں اور ان کے دعوے صداقت پر مبنی ہو سکتے ہیں ؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات سے پاک ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے شخص کو وہ ذمہ داری سونپیں جس کا وہ اہل نہیں ہے۔

لہذا طاہر صاحب کا یہ دعویٰ، دعویٰ نامعقول ہے جسے کوئی عقلمند تسلیم کرنے کو تیار نہ ہوگا ؎

کفر سے دعویٰ اسلام کی سازش کیسی
اے فلک! کیا یہ ترا رنگ یہ گردش کیسی

تحریفِ قرآن نمبر ۵

پروفیسر طاہر القادری صاحب نے قرآنِ کریم کی معنوی تحریف کا جو سلسلہ شروع کر رکھا ہے اسی سلسلے کی ایک اور کڑی ملاحظہ ہو۔ موصوف نے اپنی اسی کتاب "سورۃ فاتحہ اور تعمیرِ شخصیت" کے صفحہ ۱۰۰ پر سورۃ "والعصر" کے درج ذیل حصے:۔

"وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ" کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔

"ترجمہ" اور جنہوں نے حق بات کی یا حق کا ساتھ دیا اور پھر اس پر صبر کے ساتھ قائم رہے۔"

پروفیسر صاحب نے اس میں تین تحریفیں کی ہیں۔

نمبر ۱:۔ "وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ" کا ترجمہ غلط کیا۔ جب کہ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے "اور انہوں نے ایک دوسرے کو حق کی تاکید یا وصیت کی"

نمبر ۲۔ ترجمہ میں اردو کے لفظ "پھر" کا بلاوجہ اضافہ کیا اور نہ سمجھے کہ لفظ "پھر" دو چیزوں کے درمیان ترتیب مع تاخیر کے لئے آتا ہے اور یہاں "واؤ" ہے جو نہ ترتیب کے لئے ہے اور نہ ہی تاخیر کے لئے۔ پروفیسر صاحب نے منشاء و مرادِ الٰہی کے برعکس ترجمہ کر کے قرآنِ کریم کی بدترین تحریفِ معنوی کر ڈالی۔

نمبر ۳:۔ "وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ" کا ترجمہ بھی غلط کیا جب کہ اس کا صحیح معنی یہ ہے "اور انہوں نے ایک دوسرے کو صبر کی وصیت فرمائی"۔

صحیح ترجمہ:۔

اور اس آیت کا صحیح ترجمہ یوں ہے جیسا کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اور ایک دوسرے کو حق کی تاکید کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی"۔ (ترجمہ اعلیٰ حضرت بریلوی)

قارئین! اس آیت میں لفظ "تَوَاصَوْا" فعل ماضی ہے اور اس کا مصدر "تواصی"

باب تفاعل ہے۔ عربی گرامر کے اعتبار سے "باب تفاعل" میں دو شخص مل کر کسی کام کو کرتے ہیں ان میں سے ہر ایک فاعل بھی ہوتا ہے اور مفعول بھی۔ مثلاً "تَضَارَبَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو" زید اور عمرو نے ایک دوسرے کو مارا اور تَقَاتَلَ شَرِيفٌ وَخَالِدٌ، شریف اور خالد آپس میں یا ایک دوسرے سے لڑے اور صاحب لسان العرب اسی لفظ کے معنی عربی لغت کی رو سے لکھتے ہیں ملاحظہ ہو۔

"وَتَوَاصَى الْقَومُ أَيْ أَوْصَى بَعْضُهُمْ بَعْضًا"

"قوم نے تواصی کی" یعنی انہوں نے ایک دوسرے کو وصیّت کی۔

(لسان العرب ج ۱۵ ص ۳۹۴)

(لسان العرب ج ۱۵ ص ۳۹۴)

اور تفسیر رُوح المعانی میں ہے۔

اي وصي بعضهم بعضا

یعنی انہوں نے ایک دوسرے کو حق اور صبر کی تاکید و وصیّت کی۔

(ج ۳۰ ص ۲۲۹)

قارئین، آپ نے دیکھا کہ آیت کریمہ میں واقع لفظ "تَوَاصَوْا" فعل ماضی ہے اور ماضی مصدر سے بنتا ہے لہٰذا ماضی میں اس کے مصدری معنی ضرور موجود ہوتے ہیں۔ لہٰذا صاحب لسان العرب نے "تَوَاصَوْا" کا مصدر "تَوَاصِي" لکھ کر اس کے معنی کی خصوصیت کو بیان فرما دیا کہ اس کے معنی ہیں۔ قوم کا یا لوگوں کا آپس میں ایک دوسرے کو حق اور صبر کی وصیّت کرنا یعنی وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ، وصیّت کے فعل میں شریک ہیں۔ سب نے ایک دوسرے کو حق اور صبر کی تاکید و وصیت کی۔ لیکن طاہر القادری صاحب عربی گرامر سے کما حقہٗ واقف نہ ہونے کی وجہ سے اس معنوی خصوصیّت سے بے خبر رہے اور ایسا ترجمہ کیا جس سے آیت کریمہ میں واقع لفظ "تواصوا" کی وہ معنوی خصوصیت ہی باقی نہیں رہی جو بابِ "تفاعل" کی رُوح تھی یعنی دو شخصوں کی ایک فعل میں مذکورہ طریقے سے شرکت۔ اس طرح موصوف آیت مذکورہ کا غلط ترجمہ کر کے تحریفِ قرآن کے مرتکب ٹھہرے۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

تحریف قرآن نمبر ۶

پروفیسر طاہر القادری کی معنوی تحریف قرآن کے سلسلے کی ایک اور کڑی ملاحظہ ہو وہ اپنی اسی کتاب ''سورۃ فاتحہ اور تعمیر شخصیت'' کے صفحہ ۴۲ پر سورۂ بقرہ کی ایک آیت اور اس کا ترجمہ لکھتے ہیں۔

فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ط (البقرہ ۳۸)

(ترجمہ) پس جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آجائے تو تم میں سے جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا اسے دنیا و آخرت میں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی غم۔

اِنْ کا ترجمہ اِذَا سے کر ڈالا۔

پروفیسر صاحب نے اس آیت میں ''اِن'' شرطیہ کا ترجمہ ''اِذَا'' سے کر ڈالا۔ کیونکہ جب'' ''اِذَا'' کا ترجمہ بنتا ہے۔'' اِن'' کا نہیں۔ لیکن پروفیسر صاحب نے ترجمہ میں اگر'' کی بجائے ''جب'' استعمال کر کے قرآنِ کریم کے نازل کرنے والے خدائے قدوس کی مراد و منشا کو ہی بدل ڈالا۔ اِسی کا نام قرآن کی تحریفِ معنوی ہے۔ یعنی کلامِ الٰہی کا معنی یا تفسیر اس کی منشائ کے خلاف کرنا۔

جب کہ اس کا صحیح ترجمہ ''پس اگر یا پھر اگر'' ہے۔ امامِ اہلِ سُنت کا ترجمہ ملاحظہ ہو

''پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے۔''

(کنز الایمان، اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ)

باقی تراجم بھی دیکھ لیجئے، کہ ان میں، ''پس جب'' ہے یا ''پس اگر'' اور پھر اگر'' بہر صورت پس جب کا ترجمہ غلط اور قرآن کے معنی کی تحریف ہے۔ کیونکہ ''جب'' لفظ ''اِذَا'' کا ترجمہ ہے۔ اِنْ اور اِذَا کے معنوں میں بڑا فرق ہے۔ مختصر المعانی میں ہے۔

فان واذا تشترکان فی الاستقبال بخلاف لو وتفترقان بالجزم بالوقوع وعدم الجزم به۔ (مختصر المعانی صفحہ ۱۴۳)

(ترجمہ) پس اِنْ اور اِذا استقبال میں مشترک ہیں "لو" کے خلاف اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں وقوع شرط کے یقینی اور غیر یقینی ہونے کے اعتبار سے۔

اور کلامِ الٰہی کا معاملہ تو اس قدر اہم اور نازک تر ہے کہ معمولی سی غلطی یا کمی بیشی بھی معنی کو کچھ سے کچھ بنا دیتی ہے اس لئے اس کا ترجمہ کرتے وقت ایک ایک لفظ کے لانے میں انتہائی احتیاط کرنے کی ضرورت ہے، مگر امت کے خودساختہ مفسر کو یہ توفیق کہاں؟ انہیں تولیڈ لے جانے اور سستی شہرت کمانے کے شوق نے سراپا اضطراب بنا دیا ہے۔ خودساختہ علامہ، قرآنِ پاک کی تفسیر کی بنیادی کتاب تک سے بے خبر ہیں جو اساتذہ کرام درسِ نظامی کے طالب علموں کو عام طور پر پڑھاتے ہیں۔ یہ تفسیر، تفسیرِ جلالین ہے جو درسِ نظامی کے نصاب میں سالہا سال سے شامل ہے اور باقاعدہ پڑھائی جاتی ہے۔ جس نے یہ تفسیر پڑھی ہوگی وہ ایسا غلط ترجمہ ہرگز نہ کرے گا۔ خودساختہ علامہ و مفسر اس قدر بھی نہیں جانتے کہ لفظ "فَاِمَّا" دراصل کیا تھا۔ اگر جانتے ہوتے تو تحریف قرآنِ کریم کے مرتکب نہ ہوتے۔ تفسیرِ جلالین میں لکھتے ہیں۔

"فَاِمَّا" فیه ادغام نون اِن الشرطیة فی ما الزائدة۔

"فَاِمَّا" میں "ما زائدہ" کے اندر اِن شرطیہ کے نون کا ادغام ہے۔

(تفسیر جلالین (طبع لبنان)، صفحہ ۱۰)

صاحبِ تفسیرِ جلالین یہ بتا رہے ہیں کہ اصل عبارت یوں تھی۔ "فَاِنْ ما" "فا" کے بعد "اِنْ" شرطیہ ہے اور لفظ "ما" زائدہ ہے۔ اِن شرطیہ کو "مَا زائدہ" میں مدغم کیا گیا تو "فَاِمَّا" ہو گیا۔ لیکن معنی کرتے ہوئے حرفِ مدغم "اِنْ" شرطیہ کو

ضرور ملحوظ رکھا جائے گا۔ لیکن خود ساختہ مفسر نے یہ کتاب پڑھی ہی نہیں اس لئے انہوں نے ترجمۂ قرآن غلط کر کے اس کی معنوی تحریف کر ڈالی۔ (معاذ اللہ)

تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں

(اِمَّا) مركبة من ان الشرطيه و (ما) الزائدة للتاكيد (روح المعانی ج ا صفحہ ۲۳۸)

(اِمَّا) اِنْ شرطیہ اور (ما) زائدہ برائے تاکید سے مرکب ہے۔

اسی طرح تمام تفاسیر میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں اور قرآنِ کریم کے اردو ترجموں میں بھی اِنْ شرطیہ کا معنی ملحوظ رکھا گیا ہے۔

اور علامہ آلوسی یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس مقام میں " اِنْ " شرطیہ جس کے معنی اگر کے ہیں کے استعمال میں نکتہ یہ ہے۔ کہ جس بات کو شرطیہ یعنی "اگر" کے لفظ سے بیان کیا جائے اس کا عمل میں آنا وجوبی و ضروری نہیں ہوتا۔ بلکہ اس میں شک ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ کہہ کر " اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے " اس حقیقت کا اظہار فرما دیا کہ بندوں کو عقل و شعور کی نعمت عطا کرنے کے بعد ان کے لئے آسمانی ہدایت بھیجے گا تو یہ اس کا فضلِ محض ہو گا۔ (ملاحظہ ہو روح المعانی ج ا صفحہ ۲۲۹)

جب ترجمہ میں لفظ " اگر " استعمال نہ ہو گا تو یہ نکتہ حاصل نہ ہو گا۔ مگر خود ساختہ مفسر کو علمی نکات کی ہوا تک نہیں لگی۔ انہیں تو ماشاء اللہ اس دور کا سب سے بڑا مفکر مصنف بننے کا شوق ہے۔ اس لئے صحیح یا غلط دھڑا دھڑ کتابیں لکھے جا رہے ہیں۔

تفسیرِ بیضاوی میں ہے۔

والمعنى ان يأتينكم منى هدى الخ۔

اور معنی یہ ہے کہ اگر میری طرف سے تمہارے پاس کوئی ہدایت آئے۔

(تفسیر بیضاوی ج ا صفحہ ۵)

لیجئے۔ امام قاضی بیضاوی علیہ الرحمۃ نے حرف "أَنْ" کا صراحت و وضاحت کے ساتھ ذکر فرما کر پروفیسر طاہر القادری صاحب کے کئے ہوئے ترجمہ کی جعلیت اور تحریف کو واضح ڈالا۔

مزید ایک حوالہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

بیضاوی کی شرح شیخ زادہ علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں (بخوف طوالت اس کے اردو مفہوم پر اکتفاء کیا جاتا ہے)

امام بیضاوی علیہ الرحمۃ کی مراد یہ ہے کہ بظاہر یہ مقام "إِذَا" کا ہے جس کے معنی "جب" کے بنتے ہیں۔ "إِنْ" شرطیہ کا مقام نہیں جس کے معنی "اگر" کے ہیں۔ کیونکہ "إِنْ" (شرط) کا قاعدہ یہ ہے کہ یہ احتمالی اور مشکوک معنوں میں استعمال ہو اور "إِذَا" ظرفیہ جس کے معنی "جب" کے ہیں کا قاعدہ یہ ہے کہ یہ قطعی اور یقینی وقوع پذیر معنوں میں استعمال ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا آنا اگرچہ ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں۔ اس بنا پر کہ اللہ تعالےٰ پر کوئی چیز واجب نہیں۔ لیکن اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہدایت کا آنا یقینی وقوع پذیر امور میں سے ہے اس بناء پر کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمالیا اور اسے مقدر فرما دیا اور اس کا وعدہ خلاف نہ ہوگا اور اس کی تقدیر خطا نہ ہوگی۔ تو یہ مقام "إِذَا" کا تھا۔ جس کے معنے "جب" کے ہوتے ہیں پھر کلمۂ شک "إِنْ" کو کیوں لایا گیا جس کے معنی "اگر" کے ہیں؟ تو قاضی بیضاوی نے اس سوال کا جواب دے دیا کہ کلمۂ شرط "إِنْ" لانے کا قاعدہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہدایت کا آنا فی ذاتہ احتمالی اور مشکوک عقل کی رو سے اللہ تعالےٰ پر واجب نہ تھا کہ وہ ہدایت بھیجے۔ لیکن اس کا ہدایت کے بھیجنے کی بندوں

کو اُمید دلانا، اس کے فضلِ محض پر مبنی ہے۔

(بیضاوی و شیخ زادہ ج ۱ صفحہ ۲۷۳)

ناظرین کرام! آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ مفسرینِ قرآنِ کریم کے ایک ایک لفظ بلکہ ایک ایک حرف پر کس قدر غور فرماتے۔ اور علومِ قرآن میں غوطے لگا کر کس قدر قیمتی جواہر نکال لیتے ہیں اس کا نام فہمِ قرآن ہے۔ وہ فہمِ قرآن نہیں جس کے پروفیسر صاحب مدعی بنے ہوئے ہیں بلکہ پروفیسر صاحب کا فہمِ قرآن دراصل تحریفِ قرآن کے سوا کچھ نہیں ہے۔

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

تحریف نمبر ۷

پروفیسر صاحب نے قرآن کریم کی جو معنوی تحریفیں کی ہیں۔ اس سلسلے کی ایک اور کڑی ملاحظہ ہو۔ موصوف نے اپنی کتاب مذکور کے صفحہ ۱۱۹ پر سورۃ حج کی آیت ۵۶ لکھ کر اس کا ترجمہ کیا۔

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ (الحج ۵۶)

(ترجمہ) آج کے دن بادشاہی صرف اللہ کی ہے وہی تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا۔

اس میں موصوف نے دو تحریفیں کی ہیں۔

۱۔ "يَوْمَئِذٍ" کا معنی "آج کے دن" سے کیا جو بالکل غلط اور قرآن کی معنوی تحریف ہے۔ جب کہ اس کے معنی "اُس دن" کے ہیں "آج کے دن" کے لیے عربی میں "اَلْيَوْمَ" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جسے عربی زبان پر معمولی سی واقفیت بھی ہو وہ بھی ایسی فحش غلطی نہیں کرے گا۔

۲۔ دوسری تحریف یہ فرمائی کہ "بَيْنَهُمْ" کا معنی "تمہارے درمیان" سے کیا حالانکہ عربی کی معمولی سی سُوجھ بُوجھ رکھنے والے بھی جانتے ہیں کہ "بَيْنَهُمْ" میں "هُمْ" غائب کی ضمیر ہے، حاضر کی نہیں، حاضر کے لئے ہوتا تو "بَيْنَكُمْ" ہوتا جس کے معنی "تمہارے درمیان" کے ہیں۔ موصوف نے "بَيْنَهُمْ" کا معنی "بينكم" سے کرکے قرآنِ کریم کا نہ صرف جاہلانہ معنی کیا ہے بلکہ اس کلامِ مقدس کے تقدس کا بھی مذاق اڑایا اور اس کی تحریفِ معنوی کر ڈالی۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ

سچ ہے اللہ تعالیٰ آئمہ دین کو اپنا فریق ٹھہرانے اور ان کے حوالوں کو سند نہ ماننے والوں کے سینے میں علومِ قرآن کے انوار روشن نہیں فرماتا۔ یاد رہے کہ پروفیسر صاحب "عورت کی دیّت" کے مسئلہ پر ایک مذاکرہ کے دوران واضح فرما چکے ہیں کہ "فقہاء کرام و آئمہ

اہلسنت میرے فریق ہیں میں ان کے حوالوں کو سند تسلیم نہیں کرتا۔"
(مذاکرہ ۸ ستمبر ۱۹۸۴ء کیسٹ موجود ہے۔

جو شخص عربی زبان سے کما حقہ واقف نہ ہو، علوم قرآن و سنت اور فقہ کی روح سے بے خبر ہو، اس کا قرآن کی تفسیر کرنا اور حدیث و فقہ کی تشریح و تحقیق کرنا۔ قیامت کو دعوت دینے کے مترادف ہے ؎

مَنْ لَّمْ یَکُنْ لِلْوِصَالِ اَھْلاً
فَکُلُّ طَاعَاتِہٖ ذُنُوْبٌ

(ترجمہ) جو شخص قرب و وصال کی اہلیت نہ رکھتا ہو
اس کی تمام نیکیاں گناہ ہیں۔

اس آیت کا صحیح ترجمہ یوں ہے۔
"بادشاہی اُس دن اللہ ہی کی ہے وہ ان میں فیصلہ کر دے گا"
(اعلیٰ حضرت بریلوی)

تحریفِ قرآن نمبر ۸

پروفیسر صاحب کی تحریفات کے سلسلے کی ایک اور کڑی ملاحظہ ہو۔ موصوف اپنے رسالہ "حصولِ مقصد کی جدوجہد میں نتیجہ خیزی کی ضمانت" کے صفحہ ۵ پر سورۂ حجر کی ایک آیت اور اس کا ترجمہ لکھتے ہیں

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (الحجر ۱۵۔ ۹۹)

ترجمہ: اپنے رب کی عبادت کر یہاں تک کہ تجھے معروضی کامیابی اور نتیجہ خیزی میسّر آجائے۔

پروفیسر صاحب نے آیت کریمہ کے نہایت ہی واضح اور روشن و مسلّمہ معنوں کو ایسے بھنور میں ڈال دیا کہ اسے شاید وہ خود بھی نہ سمجھے ہوں گے ؎

بک گیا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

"اپنے رب کی عبادت کر یہاں تک کہ تجھے معروضی کامیابی اور نتیجہ خیزی کی ضمانت میسّر آجائے"

پروفیسر صاحب کی تمام تقریریں اور تحریریں ابوالکلام آزاد، غلام احمد پرویز، مودودی صاحب اور ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کی تقریروں اور تحریروں کے اقتباسات ہیں اور بعض اوقات تو اپنے استاذوں کے ہی رٹے ہوئے الفاظ من وعن لاکر سامعین اور قارئین پر اپنے علم کا رعب جماتے ہیں۔ چنانچہ یہ دو الفاظ "معروضی کامیابی" اور "نتیجہ خیزی کی ضمانت" بھی ڈاکٹر برہان احمد فاروقی صاحب کے مضامین میں بارہا پڑھے اور خود ان سے سُنے گئے ہیں پروفیسر صاحب، انہی کے ایجاد کردہ ناقابلِ فہم الفاظ، ترجمہ قرآن میں بے محل و بے موقع استعمال فرما کر کلامِ الٰہی کے معنیٰ و مفہوم پر اجنبیّت کا رنگ چڑھا رہے ہیں اور یہ ترجمہ بھی بلاشبہ کلامِ الٰہی کی تحریف کے زمرے میں آتا ہے کیونکہ موصوف نے آیت کریمہ میں

واقع لفظ" الیقین " کے معنی "ضمانت" کے کئے ہیں۔ خواہ اس کا تعلق معروضی کامیابی سے ہو یا " نتیجہ خیزی " سے ، یقین کے معنی ضمانت کے عربی زبان میں کہیں بھی نہیں آتے پروفیسر صاحب کا بیان کردہ معنی قرآن کی تفسیر بالرای کے زمرے میں آتا ہے اور تفسیر بالرای کرنے والے کو حدیث میں دوزخی فرمایا گیا ہے۔ جب کہ یہاں " الیقین " کے معنی موت ہی کے ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے۔

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ، قال سالم، الموتُ

(صحیح البخاری ج ۲ صہ ۶۸۳)

اور اپنے رب کی عبادت کرو تاوقتیکہ تمہارے پاس یقین آجائے۔ حضرت سالم نے فرمایا " موت " آجائے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت اس وقت تک تم پر فرض ہے جب تک موت نہ آجائے یہ حضرت سالم ، سیدنا عبداللہ بن عمر کے بیٹے اور سیدنا عمر فاروق کے پوتے ہیں (رضی اللہ عنہم) امام احمد قسطلانی ارشاد الساری شرح بخاری میں فرماتے ہیں کہ سیدنا ابن عباس سے بھی یہی مروی ہے کہ یقین سے مراد موت ہے پھر لکھتے ہیں۔

الیقین ھو الموت لانه امر متیقن دالی ان قال، المراد واعبد ربك فی جمیع زمان حیاتك ولا تخل لحظة من لحظات الحیاۃ من العبادات (ارشاد الساری ج ۷ صہ ۱۹۵)

یعنی یقین موت ہی ہے کیونکہ وہ ایک یقینی چیز ہے (آگے چل کر فرماتے ہیں) مراد یہ ہے کہ اپنی زندگی کے تمام اوقات میں اپنے رب کی عبادت کرو اور زندگی کے لمحات میں سے کوئی لمحہ عبادت سے خالی نہیں ہونا چاہیئے۔

ھدایات نیز قرآن مجید اپنے بعض الفاظ کریمہ کی بعض اوقات خود ہی تفسیر بیان فرما دیتا ہے اس لئے ایک مترجم و مفسر کے لئے ضروری ہے کہ وہ جب کسی لفظ کا معنی یا تفسیر بیان کرنے لگے تو یہ دیکھ لے کہ آیا یہ لفظ قرآن مجید میں کسی اور مقام پر بھی آیا ہے ؟ اگر آیا ہے

تو وہاں اس کا معنیٰ کیا ہے؟۔ یہی لفظ "الیقین" اسی انداز میں دوسری جگہ سورۃ مدثر میں بھی آیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ط حَتّٰى اَتٰنَا الْيَقِيْنُ.	اور ہم انصاف کے دن کو جھٹلاتے رہے یہاں تک کہ ہمیں موت آئی۔

(المدثر ۴۶، ۴۷)

یہ کافروں کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ قیامت کے دن کہیں گے کہ "ہم نماز نہ پڑھتے تھے (۴۳) اور نہ مسکین کو کھانا دیتے تھے (۴۴) اور بے ہودہ فکر والوں کے ساتھ بے ہودہ فکر کرتے تھے (۴۵) اور ہم انصاف کے دن کو جھٹلاتے رہے (۴۶) یہاں تک کہ ہمیں موت آگئی (۴۷)

قارئین! ملاحظہ فرمائیے کہ یہاں "الیقین" کے آنے سے موت کا آنا مراد ہے اور امام ابن جریر طبری علیہ الرحمۃ م ۳۱۰ھ اپنی تفسیر میں اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:۔

يقول تعالىٰ ذكره لنبيه صلى الله عليه وسلم واعبد ربك حتىٰ يأتيك اليقين الموت الذى هو موقن به	یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ آپ اپنے رب کی عبادت کریں تا وقتیکہ آپ کے پاس یقین آ جائے یعنی موت، جو یقینی (آنے والی) ہے

پھر امام ابن جریر فرماتے ہیں۔ حضرت سالم بن عبداللہ، حضرت مجاہد، حضرت قتادہ حضرت حسن اور حضرت امام ابن زید رضی اللہ عنہم اجمعین، تابعین کرام (ائمہ تفسیر فرماتے ہیں کہ یہاں یقین سے مراد موت ہے۔ پھر یہی امام اسی معنی کی تائید کے سلسلے میں اپنی تین مختلف سندوں کے ساتھ ایک حدیث روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی وفات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

فقد جاءہ الیقین وواللہ	پس اس کے پاس یقین آگیا (موت
لی ارجولہ الخیر	آگئی) اور خدا کی قسم میں (اللہ سے) اس
	کے لئے بھلائی کی امید رکھتا ہوں۔

(تفسیر ابن جریر طبری ج ۱۴ صہ ۵۲)

افسوس کہ مفسر قرآن ہونے کے دعویٰ دار، قرآن حکیم کی سبیر کرنے سے پہلے اپنے علم کی تکمیل کر لیتے اور کسی مستند و محقق عالم قرآن و سنت سے باقاعدہ قرآن کی تفسیر پڑھ لیتے۔ لیکن انہوں نے باضابطہ (باقاعدہ درس نظامی پڑھے بغیر عربی کی معمولی سی اور غلط سلط شدبدھ حاصل کر کے اپنے ذمہ وہ عظیم الشان کام لے لیا جس کے وہ اہل نہ تھے اس لیے وہ قرآن و سنت اور فقہ اسلامی کی صحیح تفسیر و تشریح کرنے کی بجائے غلط تعبیر و توجیہہ کر کے خود بھی بھٹکے پھر رہے ہیں اور سادہ لوح عوام کو بھی بھٹکاتے جا رہے ہیں۔

لاحول ولاقوۃ الا باللہ

بے دینوں سے ہمنوائی

قارئین! پروفیسر طاہر القادری صاحب نے اس آیت میں " الیقین " معروضی کامیابی" اور " نتیجہ خیزی " کی ضمانت، مراد لے کر دراصل ان بے دینوں کی ہمنوائی فرمائی ہے۔ جو کہتے ہیں کہ " الیقین " سے مراد، موت نہیں بلکہ، معرفت، ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس وقت تک فرض ہے۔ جب تک کہ اس کی معرفت حاصل نہ ہو۔ بس جب اس کی معرفت حاصل ہو گئی، عبادت فرض نہ رہی پروفیسر صاحب کے معنی کے مطابق، تسلیم کرنا پڑے گا کہ اللہ کی عبادت اس وقت تک فرض ہے جب تک کہ معروضی کامیابی اور نتیجہ خیزی کی ضمانت میسر نہ آجائے۔ یعنی پروفیسر صاحب کی تحریک منہاج القرآن (جس کی طرف وہ اشارہ کر رہے ہیں)، کامیابی کی ضمانت سے ہمکنا نہ ہو جائے۔ پس جب تحریک منہاج القرآن کامیابی کی ضمانت سے ہمکنار ہو جائے گی

اس وقت پروفیسر صاحب اوران کے رفقاء پر عبادت بھی فرض نہ رہے گی۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) حالانکہ عبادتِ الٰہی اس وقت تک فرض ہے جب تک کہ عقل وشعور کے ساتھ زندگی باقی ہے۔ اس سلسلے میں امام حافظ ابن کثیر علیہ الرحمۃ کی بھی سنیئے۔

ویستدل بها علی تخطئة من ذهب من الملاحدة الی ان المراد بالیقین المعرفة فمتی وصل احدهم الی المعرفة سقط عنه التکلیف عندهم وهذا کفر وضلال وجهل فان الانبیاء علیهم السلام کانوا هم واصحابهم اعلم الناس بالله واعرفهم بحقوقه وصفاته وما یستحق من التعظیم وکانوا مع هذا اعبد واکثر الناس عبادة ومواظبة علی فعل الخیرات الی حین الوفاة وانما المراد بالیقین ههنا الموت (تفسیر ابن کثیر ج ۲ صفحہ ۵۶۰)

اور اس آیت سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ بے دینوں کا یہ مذہب غلط ہے کہ یقین سے مراد معرفت ہے۔ لہٰذا ان میں سے کوئی جب معرفت تک پہنچ جاتا ہے تو عبادات (فرائض) اس سے ساقط ہو جاتے ہیں اور یہ کفر وگمراہی اور جہالت ہے۔ بلاشبہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے صحابہ سب لوگوں سے بڑھ کر خدا تعالیٰ کا علم رکھتے اور اس کے حقوق وصفات اور جس تعظیم کا وہ حقدار ہے کے زیادہ جاننے والے پہچاننے والے تھے اور اس کے باوجود وہ سب لوگوں سے بڑھ کر عبادت گزار اور سب سے بڑھ کر دائمی طور پر وقتِ وفات تک نیکیاں کرنے والے تھے اور یقین سے مراد یہاں موت ہی ہے۔

تحریفِ قرآنِ کریم نمبر ۹

اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۱۵۴ پر ہی فرماتے ہیں

يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُم بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ ۔۔۔ تمہارے رب نے پانچ ہزار فرشتوں کے ذریعے تمہاری مدد فرمائی

(آل عمران ۱۲۵)

" مدد فرمائی " ترجمہ، ماضی ہے جب کہ " يُمْدِدْ " فعل مضارع ہے جس کے معنی ہیں " تمہارا رب تمہاری مدد کو پانچ ہزار فرشتے نشان والے بھیجے گا۔"

اور دوسری غلطی یہ کی کہ " مُسَوِّمِينَ " کے معنی " مسلح " سے کیا جو بالکل غلط تحریف کی حد تک غلط ہے اس کے معنی " نشانی والے یا نشانی لگانے والے " کے ہیں چنانچہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے " نشان والے " سے اس کا ترجمہ فرمایا ہے پھر " مسلح " لام کی فتح (زبر) کے ساتھ اسمِ مفعول استعمال ہوتا ہے جب کہ " مُسَوِّمِ اسمِ مفعول نہیں بلکہ اسمِ فاعل ہے۔ جناب والا نے اس معمولی سی بات پر بھی غور نہ فرمایا، جس کا تعلق گرامر سے ہے اور وہ کیسے فرماتے جب کہ انہوں نے گرامر پڑھی ہی ایسی صورت میں ترجمہ کا حشر یہی ہوگا جو جناب فرما رہے ہیں ؎

اللہ! یہ فضائے گلستان کو کیا ہوا؟
میرے لہو کا رنگ، نہ سرخی بہار کی

تحریفِ قرآنِ کریم نمبر ۱۰

جناب طاہر القادری کی قرآنِ کریم کی معنوی تحریف کی ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیں۔ موصوف اپنی کتاب "اسلامی فلسفۂ زندگی" کے صفحہ ۳۹ پر سورۃ النجم کی آیت ۳۲ لکھ کر اس کا ترجمہ فرماتے ہیں۔

فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ۔ (النجم ۳۲)

تم اپنی جانوں کی صفائی اور پاکیزگی کی قسم نہ کھاؤ وہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ کون زیادہ پاکیزہ ہے۔

ترجمہ میں طاہر صاحب نے دو غلطیاں کی ہیں

۱۔ ایک یہ کہ ترجمہ میں آیت کریمہ کا موضوع ہی بدل ڈالا۔ کیونکہ آیت کریمہ کا موضوع ہے اپنے منہ اپنی پاکیزگی بیان کرنے اور خود سرائی کی ممانعت" لیکن محترم طاہر القادری صاحب نے اس کا غلط ترجمہ کر کے اس کا موضوع ہی بدل دیا ہے کیونکہ انہوں نے اس کے ترجمہ میں "قسم نہ کھاؤ" کے الفاظ اپنی طرف سے زائد کر دیئے ہیں۔ جب کہ اس کا صحیح ترجمہ یوں ہے۔

"تو آپ اپنی جانوں کو ستھرا نہ بتاؤ وہ خوب جانتا ہے جو پرہیزگار ہیں۔ (کنز الایمان)

اعلیٰ حضرت کے ترجمہ سے معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ میں صرف اس قدر بتانا مقصود ہے کہ اپنے منہ اپنی پاکیزگی کا اظہار نہ کرو۔ لیکن موصوف نے اس میں "قسم نہ کھاؤ" کی عبارت بڑھا کر اس کے موضوع و مفاد کو ہی بدل ڈالا۔ طاہر صاحب کے ترجمہ کو پڑھنے والا یقیناً یہی سمجھے گا کہ اس آیت میں صرف قسم کھا کر اپنی پاکیزگی بیان کرنے کی ممانعت ہے اور قسم کھائے بغیر ممانعت نہیں ہے۔ گویا ممانعت کا تعلق صرف قسم کے ساتھ ہے جب کہ کلامِ الٰہی کا ہرگز یہ مفاد نہیں ہے۔ ایسا ترجمہ تحریفِ کلامِ الٰہی قرار پاتا ہے۔

۲۔ دوسری غلطی یہ کی کہ لفظ "اِتَّقٰی" کو اسم تفضیل سمجھ لیا اور اس کا معنی بھی

" زیادہ پاکیزہ " سے کیا۔ حالانکہ یہ فعل ماضی ہے۔ جس کے معنی میں صرف پرہیز گاری کا مفہوم ہے۔ " زیادہ پرہیز گاری یا زیادہ پاکیزگی " ہرگز نہیں۔ اس لئے اعلیٰ حضرت نے اس کے ترجمہ میں " زیادہ " کا لفظ استعمال نہیں فرمایا۔ جناب طاہر صاحب کو غالباً اس لئے مغالطہ لگا ہے کہ لکھنے میں دونوں کی صورت ایک ہی ہے۔ یعنی ماضی اور اسم تفضیل دونوں ایک ہی شکل " اتقی " میں لکھے جاتے ہیں لیکن دونوں کے پڑھنے کا انداز مختلف ہے۔ اسم تفضیل کو الف کی زبر اور تا کی جزم سے پڑھا جاتا ہے اور ماضی کو الف کی زیر اور تا کی شد اور زبر سے۔ اور یہاں اسی دوسری صورت میں یعنی فعل ماضی سے پڑھا گیا ہے اور سورۃ واللیل میں " الاتقی " پہلی صورت میں یعنی اسم تفضیل سے پڑھا گیا ہے۔ پھر ایسے موقع پر ایک ایسے شخص کو جو عربی گرامر سے واقف ہو اور قرآن کا علم بھی رکھتا ہو اسے مغالطہ نہیں لگ سکتا اور اگر مغالطہ لگ جائے جیسے طاہر صاحب کو لگا تو سمجھ لیجئے بلکہ یقین کر لیجئے کہ ایسا شخص عربی گرامر اور قرآنی علوم سے قطعاً بے بہرہ اور بالکل نابلد ہے لہٰذا اسے اس بات کا کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ قرآن حکیم کی تفسیر لکھے یا حدیث و تصوّف کا شارح بنے کیونکہ اُس میں ان خدمات کی انجام دہی کی اہلیت ہی نہیں ہے اور اس حدیث کے مصداق یہی لوگ ہیں کہ " بہت سے قرآن کے پڑھنے والے ہیں اور قرآن ان کو لعنت کر رہا ہوتا ہے " (حدیث) ؎

کہتی ہے قرآن کی عظمت اُن سے
تم کیا ہو، تمہاری ہستی کیا ہے

تحریفِ قرآنِ کریم نمبر ۱۱

تحریفِ قرآنِ کریم کے ماہر جناب علامہ طاہر اجزائے ایمانؒ کے صفحہ ۵۶ حصہ دوم میں درج ذیل آیت اور ساتھ ہی اس کا ترجمہ ارشاد فرماتے ہیں۔ قارئین ملاحظہ فرمائیں۔

اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ (القیامہ ۷۵ آیت ۱۷/۱۸)

بے شک ہمارے ہی ذمہ ہے اس کا جمع کرنا اور اس کا پڑھوانا۔ جب ہم اس کو پڑھوا چکیں تو آپ اس کے پڑھے ہوئے کی پیروی کیجئے۔

اس میں جناب طاہر نے "قُرْاٰنَهٗ" کا معنی کیا ہے "اس کا پڑھوانا" اسی طرح موصوف نے "قَرَاْنٰهُ" کا معنی کیا ہے "پڑھوا چکیں"

عربی زبان میں "قَرَأَ" "یَقْرَءُ" کے معنی پڑھنے کے تو آتے ہیں مگر "پڑھوانے" کے ہرگز نہیں آتے لیکن طاہر صاحب نے یہاں "قَرَءَ" کے معنی پڑھوانے کے کر کے ثابت کر دیا ہے کہ یہ پروفیسر، علامہ اور ڈاکٹر کہلانے والے عربی زبان کے عام الاستعمال الفاظ کے معنی تک سے بے خبر ہیں۔

صحیح بخاری کی شرح "الکواکب الدراری" میں امام کرمانی اور عمدۃ القاری میں امام بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں۔

"(فَاِذَا قَرَءْنٰهُ) جعل قراۃ جبریل قراتہ"
(شرح صحیح بخاری للکرمانی ج ۱ ص ۴۸) (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۷۱)

"فَاِذَا قَرَءْنٰهُ" میں اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کی قرأت کو اپنی قرأت قرار دیا

یعنی اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کے پڑھنے کو اپنا پڑھنا قرار دیا۔ قراءۃ (پڑھنے) کی نسبت اپنی طرف فرمائی۔ یعنی یوں فرمایا "پس جب ہم اسے پڑھ چکیں"۔ لیکن اگر

طاہر القادری کے معنی "پڑھوا چکیں" کو دیکھا جائے تو اس میں پڑھنے کی نسبت براہِ راست حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف ہے۔ مگر امام المحدثین امام کرمانی و عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما فرما رہے ہیں کہ "قرء" فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے یعنی اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ "پس جب ہم اسے پڑھ چکیں"

اور اسی طرح امام قسطلانی ارشاد الساری شرح بخاری میں فرماتے ہیں کہ

(فاذا قرأناہ) بلسان جبریل علیک۔ — پس جب ہم اسے جبریل کی زبان سے تم پر پڑھیں تو اس پڑھے ہوئے کی اتباع کریں۔

(ارشاد الساری ج ۱ صفحہ ستر)

اگر یہاں فعل قراءۃ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہ ہوتی بلکہ جبریل علیہ السلام کی طرف ہوتی تو لفظ "بلسان جبریل" لانے کی ضرورت نہ تھی۔

نیز شیخ الاسلام شاہ نور الحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ تیسیر الباری شرح بخاری میں فرماتے ہیں۔

(فاذا قرأناہ) وقتیکہ بخوانیم قرآن را بزبان جبریل (ج ۱ صہ ۱۱) — پس جب ہم قرآنِ کریم کو جبریل کی زبان سے پڑھیں۔

فارسی دان حضرات تو اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ "بخوانیم" کے معنی کیا ہیں "ہم پڑھیں" یا "پڑھوائیں"۔

محققِ ملت و محدثِ اہلسنت و فقیہ امت علامہ سید غلام جیلانی شاہ صاحب میرٹھی علیہ الرحمۃ بشیر القاری شرح بخاری میں اس کا اردو ترجمہ یوں فرماتے ہیں۔

ان علینا جمعه وقرآنه فاذا قرأناه فاتبع قرآنه — بے شک اس کا محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے تو جب ہم اسے پڑھ

چکیں اس وقت اس پڑھے ہوئے کی
اتباع کرو۔

(تیسیر القاری جلد ا صفحہ ۱۵۶ طبع دہلی)

لیجیئے۔ کیا اب بھی کوئی شک کی گنجائش باقی رہ گئی ؟ ہرگز نہیں۔ محدث میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پہلے لفظ " قُرْاٰنَهٗ " کا ترجمہ فرمایا " اس کا پڑھنا " جبکہ طاہر القادری نے اس کا ترجمہ کیا " اس کا پڑھوانا "، پھر محدث صاحب علیہ الرحمۃ نے " فَاِذَا قَرَاْنٰهُ " کا ترجمہ فرمایا " پس جب ہم اسے پڑھ چکیں " جبکہ طاہر القادری نے اس کا ترجمہ کیا " پس جب ہم اسے پڑھوا چکیں "۔

اور آخر میں امام اہلسنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت سیدنا مرشدنا الشاہ احمد رضا خاں محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کا بھی ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

"بے شک اس کا محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے تو جب
ہم اسے پڑھ چکیں اس وقت اس پڑھے ہوئے کی اتباع کرو"۔

(کنز الایمان سورۂ قیامت)

اعلیٰ حضرت نے بھی " قَرَءَ " کا معنی پڑھنا فرمایا۔ لیکن طاہر صاحب کا کیا ہوا معنی " پڑھوانا " عربی زبان سے ہٹ کر، دین و ایمان کی بربادگاہ " منہاج القرآن " کا نام نہاد فیضان ہے جس کی کوئی اصل ہے نہ بنیاد۔

قارئین! کس قدر افسوس ناک بات ہے کہ جس شخص کو قرآن کریم میں واقع بلکہ عربی زبان میں عام الاستعمال " قراءۃ " کا صحیح معنی کرنا نہیں آتا اور وہ اس کا معنی پڑھنے کی بجائے پڑھوانے کا کرتا ہے وہ یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اسے دین کی خدمت اور شریعت کی تجدید کے لئے چن لیا ہے اور کشتئ امت کا واحد ناخدا ٹھہرایا ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ

اب کشتئ امت کے خود ساختہ ناخداؤں کو دیکھیے کہ امت کی کشتی کو قرآن و سنت کے غلط معانی کے بھنور میں کیسے ڈالے جا رہا ہے۔ ان تحقیقی اور مبنی بر دلائل حوالہ جات سے ہر اہلِ علم کا ذہنِ رسا اس حقیقت کو پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ صاحب جو مفکرِ اسلام وغیرہ کہلاتے پھر رہے ہیں۔ قرآن و سنت، کے بنیادی علم یعنی عربی زبان اور عربی لغت تک سے ناواقف ہے ؎

رنگ و بو سے بے خبر، بیگانۂ شانِ بہار
اے تری قدرت کہ یہ بھی ہیں نگہبانِ بہار

تحریفِ قرآنِ کریم نمبر ۱۲

اسی کتاب کے صفحہ ۲۶۳ پر سورۂ الاعراف کی آیت ۱۹۰ اور اس کا ترجمہ فرماتے ہیں

جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔ تو وہ اس کے خلق میں شریک ٹھہرانے لگے حالانکہ اللہ تعالیٰ شریک کئے جانے سے بلند و بالا ہے۔

اس میں تین غلطیاں فرمائیں۔ ۱۔ ایک یہ کہ "فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا" کا معنیٰ "خلق میں" کر ڈالا جب کہ اس کے صحیح معنی "اس کی دی ہوئی یا اس کی عطا میں" ہیں۔ پھر "اس کے خلق میں شریک ٹھہرانے لگے" کے ترجمہ سے ظاہر نہیں ہوتا کہ شریک ٹھہرانے والوں نے کتنے شریک ٹھہرائے۔ ایک یا ایک سے زیادہ۔ جب کہ قرآن میں لفظ "شُرَكَآءَ" جمع ہے معنی ایسا ہوتا جس سے لفظ کا جمع ہونا واضح ہوتا۔ جیسا کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا۔ ۲۔ دوسرے یہ کہ فَتَعٰلَى اللّٰهُ "کا معنی" حالانکہ "کے ساتھ کر کے اس کو جملہ حالیہ بنا ڈالا۔ جب کہ یہ جملہ حالیہ نہیں ۳۔ تیسرے یہ کہ "يُشْرِكُوْنَ" کا ترجمہ کیا۔ "شریک کئے جانے" یعنی اسے فعل مجہول بنا ڈالا۔ جب کہ یہ فعل معروف ہے۔ لہٰذا اس کا صحیح ترجمہ یوں ہے جو اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ نے کیا ہے۔

"انہوں نے اس کی عطا میں اس کے ساجھی (شریک) ٹھہرائے تو اللہ کو برتری ہے (یعنی اللہ برتر ہے) ان کے شریک ٹھہرانے سے"

تحریفِ قرآنِ کریم نمبر ۱۳

علمِ شعر کی نفی

جناب طاہر القادری نے آیتِ کریمہ
"وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِیْ لَهٗ" (سورۂ یٰسٓ آیت ۶۹)
کا یہ ترجمہ کر کے کہ

" اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو شعر نہیں سکھائے نہ وہ ان کے شایانِ شان تھے۔" (اجزائے ایمان حصہ دوم صہ ۴۳)

چار غلطیاں فرماتی ہیں جو تحریف کے ضمن میں آتی ہیں۔ ایک یہ کہ "وماعلمناہ الشعر" کا ترجمہ کیا " اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو شعر نہیں سکھائے"۔ اس سے علمِ شعر کی نفی لازم آتی ہے یعنی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو شعر کا علم نہیں دیا، چنانچہ دیوبندیوں، وہابیوں کا یہی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فلاں چیز کا علم نہیں دیا، فلاں کا نہیں دیا۔ حتیٰ کہ کہتے ہیں شعر کا علم بھی نہیں دیا اور اس کی دلیل میں یہی آیت پیش کرتے ہیں۔ اس لئے وہ اس کا ترجمہ بھی ایسے ہی کرتے ہیں۔ جیسے جناب طاہر القادری نے کیا۔ لیکن اس کا صحیح ترجمہ وہی ہے جو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یعنی

" اور ہم نے ان کو شعر کہنا نہ سکھایا اور نہ وہ ان کی شان کے لائق ہے"
(کنز الایمان)

اعلیٰ حضرت کا ترجمہ شروع سے لے کر آخر تک بحمدہٖ تعالیٰ قرآنِ کریم کی اپنی تفسیر، سنت و اجماع و آئمہ تفاسیر اور مسلکِ حق اہلسنت و جماعت کے تقاضوں پر مکمل پورا اُترتا ہے، اللہ تعالیٰ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ہماری طرف سے بہترین جزا عطا

فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

غور فرمایئے "شعر کہنا نہ سکھلایا" کہنے کی تعلیم کی نفی کی جا رہی ہے۔ نفسِ شعر کے علم کی نہیں۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کا علم تھا کہ کونسا کلام شعر ہے اور کونسا شعر نہیں ہے۔ لیکن اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود شعر پڑھنا چاہتے تو اس انداز میں نہیں پڑھ سکتے تھے جس انداز میں شاعر لوگ اس کے اوزان کے لحاظ سے پڑھتے یا کہتے ہیں۔ تفاسیر میں بھی یہی ہے۔ چنانچہ مدارک التنزیل شریف میں ہے۔

"ای وما علمنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم قول الشعراء الخ (ج ۴ ص ۱۲)
یعنی "ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شعر کا کہنا نہیں سکھلایا"

اسی طرح تفسیر حسینی میں فرماتے ہیں "گفتن شعر" یعنی شعر کہنا یا شعر پڑھنا نہیں سکھلایا، اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نفسِ علم کی نفی لازم نہیں آتی جب کہ طاہر صاحب کے ترجمہ سے "علم" کی نفی لازم آتی ہے۔"

امام نسفی و علامہ حسین کاشفی اور اعلیٰ حضرت علیہم الرحمۃ نے "الشعر" کو مصدر قرار دے کر اس کا یوں معنی کیا اور بلاشبہ یہ ہے بھی مصدر ہے۔ چنانچہ منجد میں ہے شَعَرَ یَشْعُرُ شِعْرًا وشَعْرًا "۔ لہٰذا آیتِ کریمہ میں لفظ "الشِعر" مصدر واقع ہے جسے کے معنی شعر کہنے کے ہیں۔ جس پر نفی واقع ہوئی یعنی ہم نے انہیں شعر کہنا نہیں سکھلایا اور "ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شعر نہیں سکھائے" ترجمہ کیا جو غلط ہے۔ "شعر" جمع نہیں کہ اس کے لئے "سکھائے" کہا جائے یہ تو مفرد ہے اس لئے اس کی بجائے "سکھایا" کہنا چاہیئے۔

اور طاہر صاحب نے تیسری غلطی یہ فرمائی کہ "وما ینبغی لہ" کا ترجمہ یوں کیا "نہ وہ ان کے شایانِ شان تھے"۔ اس میں موصوف نے لفظ "واو" کا ترجمہ

"اور" چھوڑ دیا۔ کلام الٰہی کے ساتھ یہ لاپروائی جہالت ہی نہیں بدبختی بھی ہے اور چوتھی غلطی یہ فرمائی کہ لفظ "تھے" لگا کر اسے ماضی بعید بنا دیا۔ حالانکہ قرآن کریم کا یہ لفظ "یَنۡبَغِیۡ" نہ ماضی ہے اور نہ ماضی بعید، بلکہ یہ فعل مضارع ہے اور اس کا معنی یوں ہے "اور نہ وہ ان کی شان کے لائق ہے" جیسا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے ترجمہ فرمایا۔

قارئین کرام! ذرا غور فرمایئے کہ طاہر صاحب کا دعویٰ کس قدر بڑا ہے کہ "انہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے دین کی خدمت کرنے کی ذمہ داری سونپی ہے اور ادارہ منہاج القرآن قائم کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم ادارہ منہاج القرآن بناؤ میں تمہارے پاس لاہور آؤں گا۔" اور استعداد کا یہ عالم کہ ترجمۂ قرآن تک نہیں آتا۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایسے شخص کو دین کی خدمت سونپنے لگے تھے؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

کاش کہ آج کوئی صاحبِ درد ہوتا، کوئی قرآنی تراجم اور قرآنی علوم سے اس طرح کھیلنے والے کو قوتِ بازو سے گرفت کرنے والا ہوتا۔ کوئی صدر الافاضل مراد آبادی کوئی محدثِ پاکستان حضرت سردار احمد ہوتا اور کوئی عبدالغفور ہزاروی جیسا غیور عقیدہ و مسلک ہوتا کوئی حضرت ابوالبرکات مفتی اعظم پاکستان اور علامہ احمد سعید کاظمی ہوتا۔ جن کے حضور جنابِ طاہر کی اغلاط و تحریفات اور ضلالات پر مبنی کتابیں، رسائل اور کیسٹیں پیش کی جاتیں اور ان کے قلم بے باک سے استفتاء ہوتا، پھر دیکھتے کہ جناب طاہر صاحب کیسے کھل کھیلتے ہیں

دورِ گل ختم، قفس بند، نشیمن برباد
اب کہاں جاؤں امیدوں کا جنازہ لے کر

تحریفِ قرآنِ کریم نمبر ۱۴

گمراہ کُن ترجمہ

اسی کتاب کے صفحہ ۱۹۲ پر درج ذیل آیت اور اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (السجدۃ ۲۱)

اور ہم ان کو (قیامت کے) بڑے عذاب کے سوا عذابِ دنیا کا بھی مزہ چکھائیں گے شاید (ہماری طرف) لوٹ آئیں

یہ ترجمہ غلط بھی ہے اور گمراہ کن بھی۔ لفظ "وَلَنُذِيقَنَّهُمْ" میں لام اور نون مشدد تاکید کے لئے ہیں جن کے معنی ہیں "ضرور ہم انہیں چکھائیں گے" مگر جناب طاہر نے اپنے ترجمہ میں تاکید کے معنی ترک کر دیئے اور غیر تاکیدی معنی کر ڈالے اور اس میں گمراہ کن معنی یہ ہیں "شاید ہماری طرف لوٹ آئیں" پڑھے لکھے حضرات جانتے ہیں کہ لفظ "شاید" شک کے لئے ہوتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا علم شک سے پاک اور یقینی ہے۔ اس لئے آئمہ اہلسنت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کلام میں جب لفظ "لَعَلَّ" آجائے تو اس کے "شاید" کے ساتھ شک والے معنی نہیں کئے جائیں گے بلکہ یقین کے معنی کئے جائیں گے چنانچہ تفسیر روح البیان میں ہے۔

"ولعل للترجی والاطماع وهی من الله واجب"

"یعنی لفظ "لعل" امید و توقع دلانے کے لئے ہے اور یہ کلامِ الٰہی میں واجب ہے یعنی یقینی معنی کے لئے ہے"

اور امام رازی فرماتے ہیں کہ

" یا کوئی ایسا معنیٰ کیا جائے گا جس میں شک کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہ ہو " (تفسیر امام رازی ج ۱ ص ۱۰۰ - ۱۰۱)

چنانچہ اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ کا ترجمہ ایک ایسا ترجمہ ہے کہ ان تمام تقاضوں پر پورا اترتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

" اور ضرور ہم انہیں چکھائیں گے کچھ نزدیک کا عذاب اس بڑے عذاب سے پہلے جسے دیکھنے والا امید کرے کہ ابھی باز آئیں گے "۔
(کنز الایمان ص ۶٦۵)

تحریف قرآن نمبر ۱۵

وہابیوں والا معنیٰ

جناب موصوف اسی کتاب کے صفحہ ۱۹۵ پر درج ذیل آیت کا ترجمہ فرماتے ہیں

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ۔ (البقرہ ۱۷۳)

اس نے تم پر مرا ہوا جانور اور خون اور سؤر کا گوشت اور جس پر خدا کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے حرام کیا۔

اس میں ایک غلطی یہ کی گئی ہے کہ لفظ " إِنَّمَا " جو حصر کے لئے ہے، کا ترجمہ نہیں کیا گیا۔ جس کی وجہ سے مضمونِ کلام الٰہی کا وہ تقاضا پورا نہیں ہوا جو لفظ "إِنَّمَا" سے متعلق تھا۔ نیز اس کے علاوہ جو موصوف نے "جس پر خدا کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے" ترجمہ کیا ہے یہ اہلسنت کا ترجمہ نہیں بلکہ وہابیوں کا ترجمہ ہے جو کہتے ہیں کہ اولیاء کرام کے نام پر پالے ہوئے جانور اور ان کے نام کی نذر و نیاز حرام ہے اگرچہ انہیں اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا جائے اور حرام اس لئے ہے کہ اس سے پہلے اس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا یعنی غیر اللہ کی طرف اسے منسوب کیا گیا کہ یہ غوثِ پاک یا خواجہ اجمیر یا فلاں بزرگ (جس کا دنیا سے انتقال ہو گیا) کا بکرا ہے یا یہ غوث پاک کی گیارھویں کا کھانا ہے اس لئے وہ اپنے مسلک کو فروغ دینے کے لئے اس کا ترجمہ بھی یہی کرتے ہیں جو طاہر صاحب نے کیا۔

چنانچہ جناب مودودی صاحب اس کا ترجمہ لکھتے ہیں "اور کوئی ایسی چیز نہ کھاؤ جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔" (تفہیم القرآن ج ۱ ص ۱۳۵) دیکھ لیجئے، جناب طاہر اور مودودی کے ترجمہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں کا ایک ہی مفہوم ہے۔ اور

جناب محمود الحسن صاحب دیوبندی ترجمہ کرتے ہیں" اور جس جانور پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا "(ترجمہ محمود الحسن ص۳۲) یہ ترجمہ اور طاہری ترجمہ بالکل ایک سا ہے ۔ اور جناب ابوالکلام آزاد اس کا ترجمہ کرتے ہیں" اور وہ جانور جو اللہ کے سوا کسی دوسری ہستی کے نام پر پکارا جائے "(ترجمان القرآن ج ۱ ص۲۲۵) یہ ترجمہ اور طاہری ترجمہ ایک سا ہے ۔ اور تعجب کی بات ہے کہ طاہر صاحب کے ترجمہ سے یہ بھی واضح نہیں ہوتا کہ اس سے جانور مراد ہے ، بلکہ ان کے الفاظ "جس پر خدا کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے" ہر چیز کو شامل ہے ۔ خواہ جانور ہو یا کھانا ہو کوئی اور چیز ۔ جس پر بھی اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے گا ۔ طاہر صاحب کے ترجمہ کے مطابق وہ چیز حرام ہو جائے گی ۔ یہ ترجمہ وہابی حضرات کی اس غرض کو جس سے وہ بزرگوں کی نذر و نیاز کو حرام سمجھتے ہیں مکمل طور پر پورا کرتا ہے ۔ حالانکہ اہلِ علم جانتے ہیں کہ کلامِ الٰہی کا معنی و مقصود ہرگز یہ نہیں ہے ۔ بلکہ اس کا معنی و مقصود صرف یہ ہے کہ جس جانور پر بوقت ذبح اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے وہ حرام ہے ۔ کیونکہ لفظ" اُھِلَّ" "اِھلال" سے ہے اور اِھلال کے معنی لغت کی رو سے آواز بلند کرنے کے ہیں ۔ لیکن قرآن میں واقع "مَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ" یا "مَا اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ" کے معنی ہرگز ہرگز کسی چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کے نام کو پکارنے کے نہیں ہیں جیسا کہ طاہر صاحب اور وہابیوں کے ترجمہ سے ظاہر ہے ۔ بلکہ اس کے معنی " جانور کو غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کرنا " ہیں ۔ چنانچہ لسان العرب میں ہے " وَمَا اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ ھُوَ مَا ذُبِحَ لِلْاٰلِھَۃِ " یعنی "ما اھل لغیر اللہ بہ" کے معنی اس جانور کے ہیں جسے بتوں کے لئے ذبح کیا گیا ہو (لسان العرب ج ۱۱ ص۷۰۱) اور تفسیر مدارک التنزیل میں ہے " ای ذبح للاصنام " (ج ۱ ص۸۹) یعنی جسے بتوں کے لئے ذبح کیا گیا وہ حرام ہو گیا ۔ دیکھئے طاہری ترجمہ اور وہابیوں کے ترجمہ کے مقابلہ

ائمہ اہلسنت کا ترجمہ کس قدر واضح اور مسلک اہلسنت کا مؤید ہے۔ اس لئے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے اس کا ترجمہ وہی کیا جو آئمہ اہلسنت نے کیا۔ ملاحظہ ہو۔

"اور وہ جانور جو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا" (کنزالایمان ص۲۳)

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ فرما لیا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کا ترجمہ آئمہ اہلسنت کی تفاسیر سے کس قدر مطابقت رکھتا ہے اور طاہر صاحب کا ترجمہ وہابی ترجمہ سے موافقت کر رہا ہے پھر بھی جناب کا دعویٰ ہے کہ آپ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے مسلک کے حامل ہیں اور ناواقف و بے خبر لوگ ان کے دام تزویر میں مبتلا ہوتے جا رہے ہیں۔ کاش موصوف قرآنِ کریم کی آیت کا ترجمہ کرتے وقت آئمہ تفاسیر کی تفاسیر کو مدنظر رکھتے اور ان کے مطابق ترجمہ کرتے مگر موصوف تو دیت کے سلسلے میں منعقد ہونے والے مذاکرہ میں فرما چکے ہیں کہ "آئمہ و فقہا اور مفسرین و محدثین ان کے فریق ہیں اور ان کا کوئی حوالہ بطور سند تسلیم نہیں کرتے"۔ ایسی صورت میں انہیں آئمہ کی تفاسیر کے دیکھنے کی حاجت ہی محسوس نہیں ہوتی اس لئے موصوف خوفِ خدا سے عاری ہو کر قرآن و سنت کے من گھڑت تراجم و تشریحات کرنے میں مصروف ہیں اور اپنی شہرت کے مزید اضافہ کے لئے "کلام الٰہی کے ساتھ کھیل رہے ہیں اور دولت کی ریل پیل میں عیش و نشاط سے اوقات بسر فرما رہے ہیں ؎

یاروں کو فکرِ روزِ جزا کچھ نہیں رہی
بس کام ہے انہیں رہِ عیش و نشاط سے

تحریفِ قرآنِ کریم نمبر۱۶

جناب طاہر قادری صاحب اپنی کتاب " اسلامی فلسفہ زندگی" کے صفحہ ۱۴۱ پر قرآن کی سورۃ " اعلیٰ " کی آیت ۱۴-۱۵ لکھتے اور اس کا ترجمہ فرماتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۙ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ؕ

بے شک وہ فلاح پا گیا جس نفس کو پاک صاف کر لیا پھر اپنے رب کے نام کو یاد کیا اور نماز پڑھی۔

حضرت علامہ ڈاکٹر پروفیسر طاہر القادری صاحب نے یہاں ترجمہ میں تین قسم تحریفیں فرمائیں ہیں۔

ایک یہ کہ "تَزَكّٰى" فعل لازم ہے جس کے معنی ہیں "ستھرا ہو گیا" لیکن جناب نے اس کا معنی فعل متعدی کا " زَكّٰى " کا کیا ہے یعنی "نفس کو پاک صاف کر لیا" اور معنی جو پروفیسر صاحب نے کئے ہیں اس آیت کے نہیں ہیں یہ معنی دراصل سورہ شمس کی آیت نمبر ۹ کے ہیں اور وہ یہ آیت ہے

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا

بے شک کامیاب ہو گیا وہ شخص نے اپنے نفس کو پاک کر لیا۔

یہ جناب کے مفسرِ قرآن اور علامہ زمان اور نابغہ عصر ہونے کی شان ہے کہ لکھتے آیت ہیں اور ترجمہ کسی اور آیت کا لکھ ڈالتے ہیں ؎

بے گناہوں کو بھی پامال کئے جاتے ہیں
پاؤں رکھتے ہو کہاں اور کدھر پڑتا ہے

دوسری غلطی یہ کہ دوسری آیت کے شروع میں حرف واو کا معنی " پھر" کر ڈالا۔ اس کا معنی " اور " ہے۔

تیسری یہ کہ " فَصَلّٰى " میں حرف فا کا معنی " اور" کیا حالانکہ اس کا معنی " پھر"

...کہ" اور" اور "پھر" میں بڑا فرق ہے "فَصَلّٰی" کے معنی "پھر نماز پڑھی" سے جو مسئلہ نکلتا ہے وہ "اور نماز پڑھی" سے نہیں نکلتا۔ ہمارے فقہا "اور اپنے رب کا نام ... پھر نماز پڑھی" میں "رب کے نام لینے پھر نماز پڑھنے" سے یہ مسئلہ نکالتے ہیں کہ تکبیرِ اولیٰ نماز ... نہیں ہے چنانچہ تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں کہ

ان التکبیرة شرط لا ... للعطف بالفاء — تکبیرِ تحریمہ نماز کے لئے شرط ہے۔ نماز کا رکن نہیں کیونکہ حرف "فا" کے ساتھ (نماز کا نام خدا پر) عطف ہے۔

(روح المعانی ج ۳۰ ص ۱۱۱ مطبوعہ مصر)

توجب یہاں وہی ترجمہ کیا جائے جو طاہر صاحب نے کیا ہے یعنی لفظ "پھر" کی ...ئے لفظ "اور" کے ساتھ، تو اس سے وہ فقہی مسئلہ اخذ نہیں ہوگا جو ہمارے آئمہ ...ہدین نے اخذ فرمایا۔ لیکن دورِ جدید کے خود ساختہ اور جاہل مجتہد ان فقہی باریکیوں سے ...ں واقف ہیں جو اسلاف کے علم و تحقیق کا ہی حصہ ہیں یہ کس قدر افسوس ناک بات ...ے کہ آج حکومت کی بے جا از پشت پناہی اور دولت مند ناسمجھ عوام کے بے پناہ مالی ...اون سے ایک ایسا شخص جو "نیم مُلا، خطرۂ ایمان" کا مصداق ہے۔ قرآن و سنت اور ...ی علوم کو بڑی بے باکی اور جسارت سے اپنے جاہلانہ اجتہاد اور احمقانہ تحقیق کا تختۂ مشق ...ئے ہوتے ہے۔

علمِ دیں مفقود ہے گم ہے صراطِ مستقیم
خضرِ راہ بنتا ہے ہر غولِ بیاباں ان دنوں

تحریفِ قرآن حکیم نمبر ۱۷

جناب طاہر القادری صاحب اپنی کتاب اجزائے ایمان حصہ دوم اشاعت دوم اکتوبر ۱۹۸۴ء کے صفحہ ۱۷۱ پر قرآنِ کریم کی سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۲۱۳ پھر اس کا درج ذیل ترجمہ فرماتے ہیں۔

لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ط — تاکہ جن امور میں لوگ باہم اختلاف کرتے تھے، ان میں ان کے درمیان فیصلہ کیا جائے۔

اہلِ علم حضرات جانتے ہیں کہ لفظ " لِيَحْكُمَ " فعل مضارع معروف (ACTIVE VOICE) ہے لیکن جناب طاہر صاحب نے اس کا ترجمہ اس کے برعکس فعل مجہول (PASSIVE VOICE) کا کر ڈالا۔ جب کہ اس کا صحیح ترجمہ یوں ہے "کہ وہ لوگوں میں ان کے اختلافوں کا فیصلہ کر دے"۔ (کنز الایمان اعلیٰ حضرت)

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فعل معروف کا فعل معروف سے ہی ترجمہ فرمایا ہے اور اسی ترجمہ میں فصاحت بھی ہے اور بلاغت بھی۔ کیونکہ جب اس کا ترجمہ فعل معروف کا کریں گے " وہ فیصلہ کر دے" تو ترجمہ پڑھنے والے کے ذہن میں سوال آسکتا ہے کہ وہ ہستی کون سی ہے جو فیصلہ کرے گی" تو ایک تجسّس اور طلب کا جذبہ پیدا ہوگا اور یہی تجسّس اور طلب ہی ہے جس کی بدولت انسان پر علوم کے دروازے کھلتے ہیں تو تجسّس کے بعد وہ یہ جواب پائے گا کہ یہ فیصلہ کرنے والی ہستی اللہ تعالیٰ کی ہستی بھی ہو سکتی ہے۔ نبی بھی ہو سکتے ہیں اور کتابِ الٰہی بھی مراد لی جا سکتی ہے تو اس انکشاف سے قاری کے ذہن میں قرآن کریم کی معنوی وسعتوں کا جو نقش ثبت ہوگا۔ اس سے قرآنِ کریم کی فصاحت و بلاغت اور جامعیت کے بارے میں اس کی قوتِ یقین و ایمان میں وہ اضافہ ہوگا کہ اس کا احساس کسی دینی علم والے کو ہی ہو سکتا ہے اور یہ صورتِ حال اس وقت پیدا نہ ہوگی۔

جب اس کا ترجمہ مضارع مجہول سے کیا جائے جیسا کہ طاہر صاحب نے کیا۔ لیکن اس کے بعد موصوف نے بطور تشریح لکھا ہے۔

"مطلب یہ ہے کہ ان اصولوں اور قوانین کی روشنی میں انبیاء ان نزاعات کو نپٹا سکیں۔ جنہوں نے نسلِ انسانی کا سکون اور اطمینان برباد کر دیا تھا"

موصوف نے نزاعات کے نپٹانے کی نسبت انبیاء کی طرف کر کے قرآن کی معنوی وسعتوں کو محدود کر دیا جب کہ توضیح و تشریح کے مقام پر اس بات کی اشد ضرورت تھی کہ کسی ایک خاص فاعل کے ذکر کرنے کی بجائے اسے عموم فاعل کی صورت میں ہی رکھا جاتا یا تینوں احتمالات کا ذکر کر دیا جاتا اور معنی بھی فعل مجہول کا کرنے کی بجائے فعل معروف کا کرتے۔ لیکن موصوف کو اس قدر محنت سے کیا فائدہ ؟ ان کو اس بات میں فائدہ ہے کہ جو منہ میں آئے بے تکی ہانکے جائیں اور کیسٹیں تیار ہوں پھر کیسٹوں سے کتابیں بنیں۔ اسی طرح اسی کتاب کے صفحہ ۷۷ پر آیت کریمہ

"وَسَخَّرَ لَكُمْ تا آخر۔ میں لفظ "سَخَّرَ" فعل ماضی معروف ہے۔ لیکن طاہر صاحب نے اس کے معنی بھی ماضی مجہول کے کر ڈالے۔ اس طرح کی بے شمار مثالیں ہیں جو ترجمہ آیات کلامِ الٰہی میں ان کی لاپروائی اور بے احتیاطی اور ترجمہ قرآن میں ان کے غیر ذمہ دارانہ طرزِ عمل کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اور اس غیر ذمہ دارانہ روش کے ساتھ موصوف دھڑا دھڑ لکھے جا رہے ہیں۔ تاکہ جناب اس صدی کے سب سے بڑے مصنف کہلائیں لیکن جو اہلِ علم حضرات موصوف کی کتابیں پڑھتے ہیں ان کی زبان پر بے ساختہ یہ شعر آجاتا ہے

کہیں کی اینٹ، کہیں کا روڑا
بھان متی نے کنبہ جوڑا

تحریفِ قرآنِ کریم نمبر ۱۸

قرآن کریم کی معنوی تحریف کی ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیں ۔ طاہر صاحب اپنی کتاب اجزائے ایمان کے صفحہ ۲۸ پر آیت کریمہ اور اس کا ترجمہ لکھتے ہیں ۔

وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ۝ وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنجِيلِ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فِيهِ (تا آخر)	اور ہم نے ان (حضرت عیسیٰ) کو انجیل عنایت کی جس میں ہدایت اور نور ہے وہ تورات کی تصدیق کرتی ہے اور پرہیز گاروں کو چاہیئے کہ جو احکام خدا نے اس میں نازل فرمائے ہیں۔ اس کے مطابق حکم دیا کریں (تا آخر)

جب کہ اس کا صحیح ترجمہ جس کا تعلق خط کشیدہ عبارت کے ساتھ ہے یوں ہے

"اور پرہیز گاروں کے لئے ہدایت ۔ اور انجیل والوں کو اس کے مطابق فیصلہ کرنا چاہیئے جو اللہ نے انجیل میں اتارا "۔

جناب طاہر القادری نے " انجیل والوں کو چاہیئے " کی بجائے ترجمہ " پرہیز گاروں کو چاہیئے " کر ڈالا اور یہ بھی بلا شبہ قرآنِ کریم کی معنوی تحریف ہے ۔

تحریفِ قرآن کریم نمبر ۱۹
جناب طاہر صاحب اپنی کتاب "اجزائے ایمان کے حصہ دوم صفحہ ۲۱۴ پر درج ذیل آیت کا ترجمہ لکھتے ہیں۔

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ ط

(ترجمہ) (وہی) غیب کی بات جاننے والا ہے اور کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا ہاں جس پیغمبر کو پسند فرمائے تو اس پر اپنا غیب آشکار کر دیتا ہے۔

اس ترجمہ میں موصوف نے تین غلطیاں کی ہیں۔
ایک یہ کہ ترجمہ میں لفظ "بات" کا اپنی طرف سے اضافہ کر کے غیب کے وسیع مفہوم کو محدود کر دیا اور بات کے معنی گفتگو کے ہیں۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا غیب دان ہونا صرف بات اور گفتگو کی حد تک نہیں ہے اور یہ ترجمہ بلاشبہ تحریف قرآن کے زمرے میں آتا ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر غیب کا جاننے والا ہے۔ خواہ وہ غیب "بات" کی نوعیت کا ہو یا "ذات" کے قسم سے ہو یا افعال واعمال ہوں بلکہ وہ تو دلوں کے بھید بھی جانتا ہے جو ابھی تک زبان پر آکر بات قرار ہی نہیں پاتے۔
دوسری غلطی یہ فرمائی کہ "فَلَا يُظْهِرُ" کا ترجمہ فرمایا "اور ظاہر نہیں کرتا" "فا" کلمہ کا معنی "اور" سے نہیں "پس" سے کرنا چاہیئے تھا اور "يُظْهِرُ" کے معنی "ظاہر کرنے" کے نہیں، "مسلط کرنے" سے کرنا چاہیئے تھا اور مسلط کرنے کے معنی کسی کو کسی چیز پر قابو اور اختیار دے دینے اور غالب کر دینے کے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں دینِ اسلام کے بارے میں فرمایا "لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ" تاکہ اللہ تعالیٰ دینِ اسلام کو تمام دینوں پر مسلط اور غالب کر دے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ یہی ترجمہ فرماتے ہیں "تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا۔"

تیسری غلطی یہ فرماتی "مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ" کے معنی کئے۔ جس پیغمبر کو پسند فرمائے تو اس پر اپنا غیب آشکار کر دیتا ہے" اس ترجمہ سے خالی الذہن شخص کے خیال میں یہ بات آسکتی ہے کہ "جس پیغمبر کو پسند فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ جس پیغمبر کو پسند نہ فرمائے تو اس پر اپنے غیب کو آشکار نہیں کرتا" گویا اس کے پیغمبروں کی دو قسمیں ہوئیں ایک وہ کہ جنہیں وہ پسند فرماتا ہے اور دوسرے وہ کہ جنہیں وہ پسند نہیں کرتا۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ ایسا جاہلانہ ترجمہ کہ اس سے کفر کا اندیشہ ہے یہ جعلی علامہ و پروفیسر طاہر القادری ہی کر سکتے ہیں۔ حالانکہ عربی گرامر کی ابتدائی کتاب نحو پڑھنے والے طلبا بھی یہ جانتے ہیں کہ لفظ "مَنْ" موصولہ ہے اور موصولات، مبہمات ہوتے ہیں اور مبہم کے ابہام کو دور کرنے کے لئے اس کے بعد حرف "مِنْ" بیانیہ بھی آیا کرتا ہے اور یہاں "مِنْ رَّسُوْلٍ" کا مِنْ "مَنِ ارْتَضٰی" کے مَن کا بیان ہے جس کے معنی یوں ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ رسولوں کو اپنے غیب پر مسلط فرماتا ہے چنانچہ اعلیٰ حضرت کا ترجمہ بھی دیکھئے "سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے سارے رسول پسندیدہ ہیں اور یہ ترجمہ، ایمان افروز ترجمہ ہے مگر طاہر صاحب کا ترجمہ "جس پیغمبر کو پسند فرمائے تو اس پر اپنا غیب آشکار کر دیتا ہے" صرف غلط ہی نہیں نہایت گمراہ کن بھی ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ اس کا تو ہر پیغمبر ہی پسندیدہ ہے اگر قوم کو ایسے تراجم پڑھنے کو دیئے گئے تو اس کے ایمان کا خدا ہی حافظ

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملا

کار طفلاں تمام خواہد شد

تحریفِ قرآنِ کریم نمبر ۲۰

اسی کتاب "اجزائے ایمان" کے حصہ دوم کے صفحہ ۱۵۴ پر درج ذیل آیت اور ترجمہ فرماتے ہیں

وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ

اور آپ فرشتوں کو عرش کے ارد گرد خدا کی تسبیح کرتے دیکھیں گے۔

(زمر۔ آیت ۷۵)

اس میں لفظ "حَآفِّيْنَ" کا ترجمہ غائب کر گئے۔ جس کے معنی حلقہ کئے ہوئے کے ہیں۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں " اور تم فرشتوں کو دیکھو گے عرش کے آس پاس حلقہ کئے اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بولتے"

طاہر صاحب کے ترجمہ سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے عرش کے آس پاس خدا کی تسبیح کرتے ہیں۔ لیکن کس حالت میں؟ اس کو قرآنِ کریم نے تو بیان کر دیا لیکن جعلی مفکرِ اسلام اور خود ساختہ مفسرِ قرآن نے اسے لائق بیان ہی نہ سمجھا۔ البتہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "حافین" کا ترجمہ کر کے ترجمہ کرنے کا حق ادا کر دیا۔

تحریفِ قرآن نمبر ۲۱

اشد کے معنی شدید

جناب نے اسی کتاب میں اشد کا معنی شدید فرمادیا ہے۔ ملاحظہ ہو" اجزائے ایمان" (یعنی ایمان کے ٹکڑے) حصہ اوّل ص۱۳۱

وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ ۔ (البقرہ ۱۶۵)

لیکن جو ایمان والے ہیں وہ خدا سے شدید محبت رکھتے ہیں

اشد کے معنی شدید سے کرنا عربی گرامر سے جہالت کی دلیل ہے۔ عام طالب علم بھی جانتے ہیں کہ " اَشَدُّ " اسمِ تفضیل کا صیغہ ہے جس کے معنی شدید ترین کے ہیں یعنی سب سے سخت یا زیادہ سخت اور شدید کے معنی سخت کے ہیں زیادہ سخت یا سخت ترین کے نہیں ہیں۔

تحریفِ قرآن نمبر ۲۲

پروفیسر صاحب کی تحریفِ قرآن کی ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیں۔ موصوف اپنی اسی کتاب "سورۃ فاتحہ اور تعمیرِ شخصیت" کے صفحہ ۱۲۸ پر سورۃ نساء کی آیت ۱۱۵ لکھتے اور اس کا ترجمہ فرماتے ہیں۔

مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى۔ (تا آخر)

(ترجمہ) جو شخص ہدایت واضح ہو جانے کے بعد رسُول کی مخالفت کرے (تا آخر)

پروفیسر صاحب نے ترجمہ میں آیت کریمہ کے ایک لفظ "لَهُ" کا ترجمہ چھوڑ دیا۔ جس کے معنی ہیں "اس کے لئے" یا "اس پر" اس طرح پروفیسر صاحب نے ترجمہ میں ہدایت کے واضح ہونے کو مطلق کر دیا۔ جب کہ قرآن نے اسے مطلق نہیں رکھا۔ بلکہ لفظ "لَهُ" کے ساتھ مقید کر کے بیان کیا ہے۔ جب کہ قرآن کا ترجمہ کرتے ہوئے کسی حکم مطلق کو بلا دلیل شرعی مقید کر دینا یا کسی حکم مقید کو شرعی حجت کے بغیر مطلق کر دینا بھی تحریف کے زمرے میں آتا ہے۔ شاید پروفیسر صاحب کی یہ تحریفاتِ قرآن و سنت ان کے اس پروگرام کا ہی حصہ ہیں۔ جس کا وہ اس طرح اظہار کرتے ہیں۔

"آپ (پروفیسر صاحب) قرآنی تعلیمات کی ایسی ترویج و اشاعت چاہتے ہیں جو عالمِ اسلام میں عظیم فکری اور عملی انقلاب کی بنیاد ثابت ہو۔
(نابغۂ عصر ص ۳)

ظاہر ہے کہ اس قدر بڑے مقصد کے لئے (بزعمِ خویش) انہیں قرآن و سنت اور اسلامی فقہ میں کچھ نہ کچھ تغیر و تبدّل تو کرنا ہی پڑے گا۔ لہٰذا یہ کام وہ بڑی دیدہ دلیری سے انجام دے رہے ہیں۔

اس لئے وہ جیسا چاہتے ہیں قرآن و حدیث کا ویسا ترجمہ کر ڈالتے ہیں اور جیسے

ان کے مزاج شریف میں آئے دیسے فتوے بھی صادر فرماتے ہیں جب کہ اس کا صحیح ترجمہ یوں ہے۔

"جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا (تا آخر)"

(ترجمہ اعلیٰ حضرت)

اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمتہ کے ترجمہ میں لفظ "اس پر" اس لفظ "لَہُ" کا ترجمہ ہے جسے پروفیسر صاحب کے مجتہدانہ نظام نے قبول نہیں کیا۔ اس لئے موصوف نے ترجمہ میں سے اسے اڑا دیا۔ طاہر القادری صاحب کو قرآن وسنت کی معنوی تحریفیں کرتے اور دین کے اجماعی و مسلمہ مسائل میں تبدیلی لاتے ہوئے خدا تعالیٰ سے ڈرنا چاہیئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی آتشِ غضب نازل ہو کر انہیں بھسم کر کے رکھ دے۔ ؎

یہ کہہ کر برق نے اس کے قفس کو پھونک دیا
کہ تو نے شکل بدل دی ہے آشیانے کی

تحریفِ قرآن نمبر ۲۳

پروفیسر صاحب کی تحریفات قرآنِ کریم کے سلسلے کی ایک اور کڑی ملاحظہ فرمائیے موصوف سورۂ فاتحہ ام تعریفیت" کے صفحہ ۱۰۴ پر سورۂ سجدہ کی ایک آیت اور اس کا ترجمہ لکھتے ہیں۔

ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِن رُّوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ (السجدہ ۹)

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے آدم میں اپنی رُوح میں سے کچھ پھونک دیا۔ چنانچہ اے بنی آدم! تمہارے اندر عقل اور سمع و بصر کا چراغ روشن ہو گیا۔

پروفیسر صاحب نے اس آیت میں چار تحریفیں کی ہیں۔

۱۔ موصوف کے ترجمہ" اپنی رُوح میں سے کچھ پھونک دیا" میں یہ جو" روح میں سے کچھ" کے الفاظ ہیں یہ خطرناک الفاظ ہیں۔ کیونکہ "کسی چیز میں سے کچھ" کا مطلب ہوتا ہے اس چیز کا کچھ حصّہ، اور یہ تب ہوتا ہے جب وہ چیز قابلِ تقسیم ہو۔ لیکن روح تو قابلِ تقسیم چیز ہی نہیں۔ چنانچہ امام اسمٰعیل حقی علیہ الرحمۃ اسی آیت کے تحت روح کے بارے میں لکھتے ہیں۔

هو جوهر لا يتجزء باتفاق اهل البصائر۔ (روح البیان ج ۷ ص ۱۱۱)

یعنی اہلِ بصیرت (اہلِ علم) کا اس پر اتفاق ہے کہ روح ناقابلِ تقسیم جوہر ہے۔

جب روح ایک ناقابلِ تقسیم جوہر ٹھہرا تو اس کے لئے لفظ "کچھ" کا استعمال بے بصیرتی اور کم علمی کے سوا کچھ نہیں۔ پروفیسر صاحب کی کم فہمی اور بے بصیرتی کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے" مِن رُّوحِهِ "میں لفظ" مِنْ" کو تبعیضیہ سمجھ لیا۔ من تبعیضیہ اس "مِنْ" کو کہتے ہیں جو اپنے مدخول (بعد والے اسم) کے ایک حصّہ یا کسی حصّہ کے مراد ہونے کو ظاہر کرتا ہے جیسے کہتے ہیں" اَخَذْتُ مِنَ الدَّرَاهِمِ" یعنی

میں نے دراہم میں سے کچھ حصہ لے لیا جب کہ یہاں "مِنْ" تبعیضیہ نہیں بلکہ "مِنْ" ابتدائیہ ہے اور "من روحہ" بمعنی "روحامنہ" ہے کیونکہ قرآن کریم کے بعض الفاظ کی وضاحت، خود قرآن میں ہی دوسری جگہ موجود ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کی وضاحت بھی قرآنِ کریم میں دوسری جگہ موجود ہے۔ ملاحظہ ہو۔

انما المسیح عیسی ابن مریم رسول اللہ وکلمتہ القاھا الیٰ مریم وروح منہ الخ (النسآء ۱۷۱)	عیسیٰ مریم کا بیٹا اللہ کا رسول ہی ہے اور اس کا ایک کلمہ کہ مریم کی طرف بھیجا اور اس کے یہاں کی ایک روح۔ (اعلیٰ حضرت بریلویؒ)

غرضیکہ یہ لفظ "من" ابتدائیہ ہے چنانچہ سورہ مائدہ کی آیت ۱۵ "قَدْجَاءَکُمْ مِنَ اللہِ نُوْرٌ" کہ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا (اور ایک کتاب مبین) میں لفظ "مِنْ" ابتدائیہ ہے اور اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے "پھر اسے (آدم کو) ٹھیک کیا اور اس میں اپنی طرف کی رُوح پھونکی۔" (اعلیٰ حضرت بریلویؒ)

۲۔ اسی آیت کریمہ میں دوسری تحریف یہ فرمائی کہ اس میں "لکم" کے "ل" کے معنی "کے لئے" یا "لئے" کرنے کی بجائے "اندر" سے کیا اور یہ بالکل غلط بلکہ الفاظ قرآن کریم کے معنوں میں تحریف ہے۔ کیونکہ عربی زبان میں "ل" کے معنی کہیں بھی "اندر" کے نہیں آتے یعنی "ل" بمعنی "فِی" نہیں آتا اور برتقدیر فرض، یہاں ایسا معنی نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا یہ تحریف قرار پاتی ہے۔

۳۔ پھر موصوف نے "اَلْاَفْئِدَۃَ" کا معنی "عقل" سے کرکے بھی قرآن کی معنوی تحریف فرمائی۔ کیونکہ اَلْاَفْئِدَۃَ، فواد کی جمع ہے اور فواد کے معنی دل کے ہیں۔ تفسیر جلالین میں ہے۔ "اَلْاَفْئِدَۃُ، اَلْقُلُوبُ" کہ اَلْاَفْئِدَۃُ کے معنی "اَلْقُلُوْبُ" (دلوں) کے ہیں۔

تحریفِ قرآن نمبر ۲۳

پروفیسر صاحب کی تحریفاتِ قرآنِ کریم کے سلسلے کی ایک اور کڑی ملاحظہ فرمائیے موصوف "سورۃ فاتحہ کی تعلیم" کے صفحہ ۱۸۴ پر سورۂ سجدہ کی ایک آیت اور اس کا ترجمہ لکھتے ہیں۔

ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُّوحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ (السجدہ ۹)

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے آدم میں اپنی رُوح میں سے کچھ پھونک دیا۔ چنانچہ اے بنی آدم! تمہارے اندر عقل اور سمع و بصر کا چراغ روشن ہو گیا۔

پروفیسر صاحب نے اس آیت میں چار تحریفیں کی ہیں۔

۱۔ موصوف کے ترجمہ "اپنی رُوح میں سے کچھ پھونک دیا" میں یہ جو "روح میں سے کچھ" کے الفاظ ہیں یہ خطرناک الفاظ ہیں۔ کیونکہ "کسی چیز میں سے کچھ" کا مطلب ہوتا ہے اس چیز کا کچھ حصّہ، اور یہ تب ہوتا ہے جب وہ چیز قابلِ تقسیم ہو۔ لیکن روح تو قابلِ تقسیم چیز ہی نہیں۔ چنانچہ امام اسمٰعیل حقی علیہ الرحمۃ اسی آیت کے تحت روح کے بارے میں لکھتے ہیں۔

هو جوهر لا يتجزء باتفاق اهل البصائر (روح البیان ج ۷ صـ۱۱۱)

یعنی اہلِ بصیرت (اہلِ علم) کا اس پر اتفاق ہے کہ روح ناقابلِ تقسیم جوہر ہے۔

جب روح ایک ناقابلِ تقسیم جوہر ٹھہرا تو اس کے لئے لفظ "کچھ" کا استعمال بے بصیرتی اور کم علمی کے سوا کچھ نہیں۔ پروفیسر صاحب کی کم فہمی اور بے بصیرتی کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے "مِنْ رُّوحِهٖ" میں لفظ "مِنْ" کو تبعیضیہ سمجھ لیا۔ من تبعیضیہ اس "مِنْ" کو کہتے ہیں جو اپنے مدخول (بعد والے اسم) کے ایک حصّہ یا کسی حصّہ کے مراد ہونے کو ظاہر کرتا ہے جیسے کہتے ہیں "اَخَذْتُ مِنَ الدَّرَاهِمِ" یعنی

لاء کالج کی لیکچرر شپ کے اوقات تک بھول گئے یہ سب کچھ حُسنِ اتفاق کی مہربانیوں کا نتیجہ ہے۔ ؎

یہ دلکشی کہاں میری شام و سحر میں تھی
دنیا تیری نظر کی بدولت نظر میں ہے

تحریفِ قرآن نمبر ۲۴

پروفیسر صاحب کی تحریفاتِ قرآن کے سلسلے کی ایک اور کڑی ملاحظہ ہو۔ موصوف "فرقہ پرستی کا خاتمہ" کے صفحہ نمبر ۴ ۵ پر سورۂ بقرہ کی آیت ۱۱۱ اور اس کا ترجمہ لکھتے ہیں۔

وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۗ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ (البقرہ ۱۱۱)

(ترجمہ) اور انہوں نے کہا کہ جنت میں کوئی بھی داخل نہ ہوگا مگر وہ جو یہودی یا عیسائی ہو گیا یہ ان کی من گھڑت باتیں ہیں۔ آپ انہیں فرمائیے کہ کوئی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو۔

اس آیت کریمہ کے ترجمہ میں پروفیسر صاحب نے دو غلطیاں کیں جو قرآنِ حکیم کی معنوی تحریف کے زمرے میں آتی ہیں

۱۔ ایک کہ لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ " کا ترجمہ کیا" جنت میں کوئی بھی داخل نہ ہوگا" اور یہ ترجمہ درست نہیں۔ اس کا صحیح ترجمہ یوں ہے "جنت میں کوئی ہرگز داخل نہ ہوگا" عربی کی تھوڑی سی سوجھ رکھنے والے طالب علم سے بھی ایسی غلطی متوقع نہیں جو ایک علامہ اور ڈاکٹر کہلانے والے صاحب فرما رہے ہیں۔ عربی کی تھوڑی سی واقفیت رکھنے والے حضرات بھی جانتے ہیں کہ حرف" لَنْ " نفی مع تاکید کے لئے آتا ہے یعنی اس میں نفی بھی ہوتی ہے اور تاکید بھی۔ چنانچہ میر سید شریف جرجانی م ۸۱۶ھ نحو میر میں لکھتے ہیں" ولَنْ برائے تاکید نفی ست" (نحو میر صفحہ ۱۹ در بحث حروفِ عاملہ) یعنی لَنْ نفی کی تاکید کے لئے۔ علامہ زمخشری تفسیر کشاف میں لکھتے ہیں

"ان فی لَنْ توکیدا وتشدیدا"

" بے شک " لَنْ " میں تاکید و تشدید یعنی شدید نفی پائی جاتی ہے"

(تفسیر کشاف ج ۱ صفحہ ۲۲۸)

لیکن جناب پروفیسر صاحب! اس کے نفی والے معنی تو کر گئے مگر "تاکید" جو اس کی روح تھی اسے چھوڑ گئے۔ ترجمۂ قرآن میں اس قدر غفلت اور بے اعتنائی ایک مسلمان کی شان کے لائق ہرگز نہیں ہے۔ خدائے قدوس کے کلام کا ایک ایک حرف، اپنے اپنے محل وموقع کے اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتا ہے اور ترجمہ کرتے وقت ہلکی سی غلطی بھی اس کی حکمتِ کلامیہ کے لئے نقصان دہ بلکہ اس کے کلامِ مقدس میں تحریف قرار پاتی ہے۔ کیونکہ اس سے منشائے الٰہی پوری نہیں ہوتی۔ اس کی مثال یوں ہے جیسے ایک شخص اپنے قاصد کے ذریعے کسی کو پیغام بھیجتا ہے کہ " فلاں کام ہرگز نہ کرنا" مگر قاصد جاکر یوں کہتا ہے کہ "فلاں کام نہ کرنا" خود ہی سوچ لیجئے کیا اس سے پیغام بھیجنے والے کی وہ مراد پوری ہوئی جو اس نے " ہرگز " کے لفظ سے وابستہ کی تھی؟ کیا قاصد کا پیغام بھیجنے والے کے پیغام میں سے لفظ " ہرگز " کو نکال دینا، پیغام رسانی میں خیانت اور تحریف وتبدیل قرار نہیں پائے گی؟ ضرور قرار پائے گی۔

۲۔ پروفیسر صاحب نے دوسری تحریف یہ فرمائی کہ " ھَاتُوا بُرْھَانَکُمْ" کا ترجمہ فرمایا۔ "کوئی دلیل لاؤ" یہ ترجمہ بھی غلط، قرآنِ کریم کی معنوی تحریف اور منشائے الٰہی کو بدل دینا ہے۔ موصوف نے قرآنِ کریم کی عبارت میں واقع لفظ "کُمْ" کا معنی اُڑا دیا۔ جب کہ اس کا صحیح ترجمہ یوں ہے۔ "تو تم اپنی دلیل لاؤ"۔

قارئین! آپ جانتے ہیں کہ لفظ "کوئی دلیل" میں اور "اپنی دلیل" میں کس قدر فرق ہے لفظ "کوئی" نکرہ (غیر معین) چیز کے لیے استعمال ہوتا ہے اور "اپنی" یا "تمہاری" کا لفظ معرفہ (معین اور خاص) چیز کے لیے بولا جاتا ہے۔ قرآن کریم نے لفظ "برہان" کی "کُمْ" کی طرف اضافت کرکے ان سے خاص دلیل طلب فرمائی ہے۔ مگر پروفیسر صاحب نے "اپنی" کی بجائے "کوئی" کا لفظ استعمال کرکے اس خاص دلیل کو عام بنا دیا۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے آپ کسی سے کہتے ہیں، کوئی قلم لاؤ، اس کا

مطلب اور ہے اور اگر آپ یوں کہتے ہیں "اپنا قلم لاؤ" تو اس کا مطلب اس سے مختلف ہے۔

پہلی صورت میں "قلم" نکرہ (عام) ہو جاتا ہے اور دوسری صورت میں "معرفہ" (خاص) بن جاتا ہے۔ پروفیسر صاحب نے معرفہ کا ترجمہ نکرہ سے کر کے خدا تعالیٰ کی مراد کو بدل ڈالا۔ یہی قرآنِ حکیم کی معنوی تحریف ہے۔

تحریف قرآن نمبر ۲۵

موصوف کے سلسلہ تحریفات کی درج ذیل کڑی بھی ملاحظہ ہو۔ موصوف نے اپنے رسالہ "پیغمبرانہ انقلاب اور صحیفۂ انقلاب" کے صفحہ ۶/۵ پر لکھا ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

(آل عمران ۱۴)

(ترجمہ) بھلی معلوم ہوتی ہے لوگوں کو نفسانی خواہشوں کی محبت۔ جیسے عورتیں اور بیٹے اور خزانے جمع کئے ہوئے سونے اور چاندی کے اور گھوڑے نشاندار اور مویشی اور کھیتی۔ یہ تو سامان ہے زندگانی کا۔

پروفیسر صاحب نے اس آیت میں دو غلطیاں کی ہیں۔

۱۔ " زُيِّنَ کا معنی "بھلی معلوم ہوتی ہے" غلط کیا، کیونکہ " زُيِّنَ " عربی گرامر کی رو سے " ماضی مجہول" کا صیغہ ہے۔ جس کے معنی " بھلی معلوم ہونے " کے نہیں۔ " بھلی کردی گئی " کے ہیں۔ لیکن پروفیسر صاحب نے " بھلی معلوم ہوتی ہے " ترجمہ کرکے اس معنی کی خوبی کو ختم کردیا جو " بھلی کردی گئی "۔ والے معنی کی صورت میں تھی۔ مثلاً جب یوں معنی کریں گے کہ " لوگوں کے لئے آراستہ کی گئی یا لوگوں کے لئے بھلی کردی گئی، ان خواہشوں کی محبت ": عورتیں، بیٹے اور تلے اوپر سونے اور چاندی کے ڈھیر اور نشان کئے ہوئے گھوڑے۔ تا آخر۔

تو پڑھنے والے کے ذہن میں سوال پیدا ہوگا کہ لوگوں کے لئے آراستہ یا بھلی کردی گئی ان خواہشوں کی محبت۔ تو وہ کون ہوگا جس نے ان خواہشوں کی محبت کو لوگوں کے لئے آراستہ اور بھلا کردیا؟ وہ اس کی جستجو کرے گا اور اس کو معلوم کرنے کی کوشش کرے گا

تو اس پر منکشف ہو جائے گا کہ احتمال ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو۔ ایسی صورت میں یہ اس کی طرف سے لوگوں کی آزمائش ہوگی۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ شیطان کی طرف سے ہو ایسی صورت میں یہ اس کی طرف سے لوگوں کے لئے دھوکا اور شرہ ہوگا لیکن پروفیسر صاحب کے کئے ہوئے معنیٰ میں اس قسم کا شعور قاری کے وہم و گمان سے بھی نہیں گزرتا۔

چنانچہ اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمائیں: "لوگوں کے لئے آراستہ کی گئی ان خواہشوں کی محبت، عورتیں اور بیٹے اور تلے اوپر سونے چاندی کے ڈھیر اور نشان کئے ہوئے گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی، یہ جیتی دنیا کی پونجی ہے"۔

اعلیٰ حضرت کا ترجمہ "آراستہ کی گئی" عربی گرامر کے بالکل مطابق ہے۔ کیونکہ "زُیِّنَ" فعل ماضی مجہول ہے اور "آراستہ کی گئی" بھی ماضی مجہول ہے اور طاہر صاحب کا ترجمہ "بھلی معلوم ہوتی ہے" قرآن کریم کے لفظ سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا۔ بلکہ عجیب و غریب ترجمہ ہے۔ جسے دوسرے لفظوں میں تحریف ہی کہنا چاہیئے۔

۲۔ دوسری غلطی یہ فرمائی کہ آخر میں لفظ "دنیا" کا ترجمہ اڑا دیا اور یوں ترجمہ فرمایا "یہ تو سامان ہے زندگانی کا" جب کہ صحیح ترجمہ یوں ہے کہ "یہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے"۔ لفظ دنیا کو حذف کر کے محض "زندگانی" کا ترجمہ کرنا منشاءِ الٰہی اور مرادِ خداوندی کے برعکس اور قرآن کی تحریفِ معنوی ہے۔ شاید موصوف کے نزدیک "پیغمبرانہ انقلاب" اسی کا نام ہے کہ اس کے کلام میں تحریف و تبدیل کی جائے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ البتہ یہ مرزا غلام احمد قادیانی کی جھوٹی پیغمبری کا ہی انقلاب ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس نے بھی ایسا ہی کام کیا کہ خدا تعالےٰ کے کلامِ اقدس میں تحریفیں اور تبدیلیاں کر کے کفر کا مرتکب ہوا جناب علامہ پروفیسر طاہر القادری صاحب جس پیغمبرانہ انقلاب کے داعی ہیں۔ وہ کسی سچے پیغمبر کے "پیغمبرانہ انقلاب" کے طرز و طریق پر معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ خدا تعالےٰ

کے سچے پیغمبر اپنے پیغمبرانہ انقلاب کی بنیاد وحی الہٰی کے تحفظ اور عدم تغیّر پر ہی رکھتے ہیں وہ وحی الہٰی کی عبارت ومعنی کی حفاظت کرتے ہیں۔ چنانچہ کفار کے ایک گروہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کہا کہ ہم آپ کو اس شرط پر مانیں گے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لے آئیں یا اس میں کچھ تبدیلی کریں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے فرما دیجئے۔

"مَا يَكُونُ لِيٓ أَنْ أُبَدِّلَهُۥ مِن تِلْقَآءِ نَفْسِيٓ ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰٓ إِلَيَّ ۖ إِنِّيٓ أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ط
(یونس ۱۵)

ترجمہ:۔ یعنی مجھے حق نہیں پہنچتا کہ میں اپنی طرف سے قرآن حکیم میں کچھ تبدیلی کر دوں۔ میں تو اسی کا پیروکار ہوں جو مجھے وحی بھیجی جاتی ہے اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔"

پیغمبرانہ انقلاب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغمبرانہ انقلاب وحی الہٰی کے تابع تھا اور اس میں کسی طرح کی تبدیلی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ممکن نہ تھی۔ مگر آج کے پیغمبرانہ انقلاب کی دعوے دار شخصیت کی انقلاب کی بنیاد ہی وحی الہٰی کی تبدیلی پر ہے کیونکہ قرآنِ کریم لفظ ومعنی دونوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ چنانچہ نورالانوار میں ہے۔

ان القرآن اسم للنظم والمعنی جمیعا (ص۱۱)

یعنی بلاشبہ قرآن الفاظ اور معنی، دونوں کے مجموعہ کا نام ہے۔

اس لئے قرآن کے الفاظ میں تبدیلی اور کمی بیشی کرنا ممنوع اور تحریف ہے اسی طرح اس کے معنوں میں بھی کمی بیشی سخت ممنوع اور تحریف ہے۔ لیکن دورِ جدید کے پیغمبرانہ

انقلاب کے مدعی طاہر القادری صاحب کی نام نہاد انقلاب کی بنیاد ہی وحی الٰہی میں تبدیلی اور تحریف پر ہے۔ جس کا مظاہرہ وہ عورت کی دیت کے مسئلہ، عورت کی شہادت وغیرہ کے بارے میں فرما چکے ہیں اور اب قرآن کے معنوں میں بھی تبدیلی کر کے اپنے نام نہاد انقلاب کا سکہ بٹھا رہے ہیں اور طاہر صاحب کو یہ جذبۂ انقلاب لینن، کارماکس اور ماؤزے تنگ ایسے شیاطین کے افکار و خیالات کے مطالعہ سے نصیب ہوا ہے۔ اس لئے "نابغۂ عصر" کے صفحہ ۱۲ میں ان کی تعریف اور ان کے مقابلہ میں علماءِ دین کی توہین کر کے موصوف نے ان کی نیازمندی کا حق ادا کیا اور ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے قرآن کے معنوں کا وہی حشر کرنے لگے ہیں جو ان شیاطین نے قرآن کے اوراق و عبارات کا کیا تھا ۔

ہوئی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی
خراب کر گئی شاہین بچے کو صحبتِ زاغ

یہ بات مبالغہ پر مبنی نہیں بلکہ مسلمہ حقیقت ہے کہ آج تک جو انسانی شیاطین اور جھوٹے مدعیانِ نبوت گزرے ہیں طاہر القادری صاحب کے انقلاب کی کڑی ان کے ہی انقلاب سے ملتی ہے۔ کیونکہ جس انقلاب میں عورت کی دیت و شہادت ایسے اجماعی مسائل سے انحراف اور آئمہ و فقہاءِ اسلام کو اپنا فریق قرار دے کر ان کے حوالوں کو سند تسلیم کرنے سے انکار کیا گیا ہو اور قرآن و حدیث کے معنوں میں تحریف و تبدیل کی گئی ہو۔ وہ خدا تعالےٰ کے کسی سچے پیغمبر (علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا پیغمبرانہ انقلاب ہرگز نہیں ہو سکتا جب کہ یہ چاروں باتیں یعنی (۱) اسلام کے اجماعی مسائل سے انحراف (۲) آئمہ و فقہاءِ اسلام کو فریق (مدمقابل) قرار دینا (۳) ان کے حوالوں کو سند تسلیم کرنے سے انکار کرنا۔ (۴) قرآن و سنت کے معنوں میں تحریف و تبدیل کرنا، پروفیسر صاحب کے انقلاب کا طرۂ امتیاز ہیں۔ لہٰذا اس کی کڑی کسی سچے پیغمبر کے انقلاب سے کیونکر مل سکتی ہے؟ بلاشبہ یہ

ابلیسی انقلاب ہے۔ فرشتے اطاعتِ خداوندی اور اس کے حکم پر جھکنے کی روایت پہ چلے آرہے تھے۔ سب سے پہلے ابلیس بزعمِ باطل فرشتوں میں انقلابی پیدا ہوا کہ آدم جیسے مقبولِ خدا کے حضور جھکنے سے انکار کر دیا۔ جناب پروفیسر صاحب نے بھی ائمہ کرام اہلسنت جو مظہرِ انوارِ محمدیت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کے حضور جھکنے، ان کے اجماع کو تسلیم کرنے اور اسے سند ماننے سے کھلا انکار فرما دیا ہے

(ملاحظہ ہو کیسٹ طاہر صاحب ۸ ستمبر ۸۴ء)

بنایا ایک ہی ابلیس آگ سے تو نے
بنائے خاک سے اس نے دو صد ہزار ابلیس

تحریفِ قرآن حکیم نمبر ۲۶

اسی سلسلۂ تحریف کی ایک اور کڑی ملاحظہ ہو۔ موصوف فرقہ پرستی کا خاتمہ کے صفحہ ۱۰۱ پر سورۂ بقرہ کے دوسرے رکوع کی ایک آیت کا درج ذیل حصہ لکھتے اور اس کا ترجمہ فرماتے ہیں۔

اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ السُّفَھَآءُ (بقرہ)

ترجمہ:۔ وہ خود راہِ حق سے بھٹکے ہوئے اور بے عقل ہیں۔

اس میں موصوف نے "اَلَا" اور "اِنَّ" کا معنی چھوڑ کر اس کا ترجمہ منشاء الٰہی کے خلاف کر ڈالا۔ "اَلَا" حرفِ تنبیہ ہے۔ جس کے معنی خبردار اور ہوشیار کرنے کے ہیں اور "اِنَّ" حرفِ تحقیق ہے اس لئے اس کے صحیح معنی یہ ہوں گے "خبردار بے شک وہ خود بے وقوف ہیں" پھر موصوف نے ترجمہ میں "راہِ حق سے بھٹکے ہوئے اور" کا اپنی طرف سے اضافہ کر کے کلامِ الٰہی کے ساتھ زیادتی فرمائی ہے۔

تحریف قرآن نمبر ۲۷

موصوف کی تحریفات کے سلسلے کی ایک اور کڑی ملاحظہ ہو وہ اپنے رسالہ " سیاسی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل " کے صفحہ ۱۷ پر سورۃ نور کی آیت ۵۵ کا ابتدائی حصہ اور اس کا ترجمہ لکھتے ہیں ۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ. (النور - ۵۵)

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین میں مستحق اقتدار ٹھہرائے گا ۔

پروفیسر صاحب نے اس میں دو غلطیاں کی ہیں

۱۔ ایک یہ کہ موصوف نے " لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ " کا معنی " انہیں مستحق اقتدار ٹھہرائے گا " کر کے قرآن کی معنوی تحریف فرمائی ۔ کیونکہ منشاءِ الٰہی انہیں اقتدار کا مستحق ہی ٹھہرانا نہیں بلکہ عملی طور پر اقتدار سونپنا ہے ۔ اقتدار کا مستحق ٹھہرانا اور اقتدار پر فائز کرنا دو مختلف باتیں ہیں اور دونوں میں بڑا فرق ہے ۔ دیکھا گیا ہے کہ بعض اوقات ایک شخص اقتدار کا مستحق ٹھہرتا ہے اس میں حکمران و خلیفہ ہونی کی صلاحیت بہ درجہ اتم موجود ہوتی ہے لیکن وہ عملی اعتبار سے اقتدار پر فائز نہیں ہوتا بلکہ محروم ہوتا ہے جب کہ اس کے مقابلہ میں غیر مستحق اور نااہل شخص اقتدار پر فائز ہوتا ہے ۔ پروفیسر صاحب کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے عملی طور پر خلافت دینے کے وعدہ کو محض مستحق اقتدار بنانے کے مفہوم میں کہنا، وعدۂ الٰہیہ کا مذاق اڑانا اور اسے مہمل بنا دینا ہے ۔ اس کا صحیح ترجمہ یوں ہے ۔ " وہ انہیں زمین میں ضرور خلافت دے گا ۔ "

۲۔ دوسری غلطی یہ فرمائی کہ " لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ " کا یہ معنی کیا کہ " وہ انہیں زمین میں مستحق اقتدار ٹھہرائے گا ۔ " اس میں " لام تاکید " اور " نونِ تاکید ثقیلہ " دو تاکیدیں موجود

ہیں۔ لیکن موصوف نے ترجمہ میں دونوں تاکیدوں کو چھوڑ دیا۔ جب کہ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے "وہ انہیں زمین میں ضرور خلافت دے گا"۔ موصوف نے خدا تعالیٰ کے تاکیدی فرمان کو غیر تاکیدی بنا ڈالا۔ یہ بھی قرآن کی تحریف معنوی ہے جس کا موصوف نے ارتکاب کیا۔

اب اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمائیں کہ گرامر کی روشنی میں کس خوبصورتی سے کلامِ الٰہی کی ترجمانی کا حق ادا ہوتا ہے:

"اللہ نے وعدہ دیا ان کو جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کئے کہ ضرور انہیں زمین میں خلافت دے گا۔" (النور ۵۵)

دیکھئے اور غور فرمائیے۔ "مستحق اقتدار ٹھہرائے گا" طاہر صاحب کا ترجمہ۔ "خلافت دے گا" اعلیٰ حضرت کا ترجمہ۔ قرآن خلافت دینے کا وعدہ کر رہا ہے اور طاہر صاحب اسے صرف خلافت کا مستحق ٹھہرانے کا وعدہ قرار دے رہے ہیں یہ دورِ جدید میں اجتہادی اور ترقی پذیر ترجمۂ قرآن ہے۔ خدا خیر کرے ؎

دورِ ترقی کیا ہے شکیل
دنیا کی عقلوں کا فتور

تحریفِ قرآن کریم نمبر ۲۸

جناب طاہر القادری کا کفریہ قول

جناب طاہر القادری اجزائے ایمان حصہ دوم صفحہ ۸۰ پر سورۂ السجدہ کی درج ذیل آیت لکھ کر اس کا جو ترجمہ فرماتے ہیں ملاحظہ ہو۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ الخ (السجدہ)

ترجمہ:۔ اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں یعنی چھ ادوار میں پیدا کیا۔ پھر وہ کائنات کے تختِ اقتدار پر جلوہ فروز ہوا۔

قارئین! اس کا مطلب اور مفہوم سمجھیے کہ موصوف کیا فرما رہے ہیں یہی "اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو چھ ادوار میں پیدا کیا، پھر (یعنی اس کے بعد) وہ کائنات کے تختِ اقتدار پر جلوہ فروز ہوا۔" گویا آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے کے بعد اس نے کائنات پر اقتدار پایا اور اقتدار کے معنی ہیں قدرت والا ہونا۔ لفظ "پھر" سے واضح ہو رہا ہے کہ اس نے کائنات پر اقتدار بعد میں پایا، اس کا اقتدار پہلے سے نہ تھا اور نہ ہی اس پر قدرت رکھتا تھا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

بلا شبہ یہ قول کفریہ ہے، اس کا اعتقاد ایک ایسی گمراہی ہے جو کفر تک جا پہنچتی ہے یہ نادان علامہ، اپنی کتاب اجزائے ایمان کے پہلے حصہ میں خدا تعالیٰ کے لئے "خیال اور احساس" کے الفاظ استعمال کر کے عقیدہ تجسّم کا مظاہرہ بھی فرما چکا ہے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کے لئے تختِ اقتدار پر جلوہ گر ہونا اس کے عقیدہ کے ساتھ پوری مطابقت رکھتا ہے اور یہ کہ وہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کو پیدا کرنے کے بعد ہی

اقتدار کے تخت پر تشریف فرمایا جلوہ فروز ہوا۔ اس سے پہلے اس کا اقتدار نہ تھا یعنی قدرت نہ رکھتا تھا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ازل سے اور ہمیشہ سے ہی مقتدر ہے۔ اقتدار والا ہے اور اقتدار رکھتا ہے۔ اس کی قدرت صفتِ ازلیہ ہے۔ چنانچہ شرح عقائد (جسے نام نہاد علامہ نے پڑھا ہی نہیں ورنہ ایسی جاہلانہ اور گمراہ کن باتیں نہ فرماتے) میں ہے۔

" اَلْقُدْرَۃُ وَھِیَ صِفَۃٌ اَزَلِیَّۃٌ الخ (ص ۱۱۵ مطبوعہ مصر)

کہ قدرت، خدا تعالیٰ کی صفتِ ازلی ہے۔ نیز موصوف نے "عرشِ الٰہی" کو اس کے حقیقی معنوں میں لینے کی بجائے اسے کائنات کا تختِ اقتدار قرار دے کر عرش کی حقیقت کا ہی انکار کر دیا۔ گویا ان کے نزدیک عرشِ الٰہی، کائنات کا تختِ اقتدار اور تختِ حکومت ہے۔ جیسے کرسیٔ اقتدار یا کرسیٔ حکومت، سے مراد وہ کرسیٔ حقیقی نہیں جس پر بیٹھا جاتا ہے بلکہ اس سے محض حکومت کی ذمہ داری مراد ہوتی ہے۔ جو حکومت کی ذمہ داری پر فائز ہو اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ فلاں صاحب اقتدار کی کرسی پر جلوہ فروز ہوئے۔ یعنی اس سے پہلے ان کے پاس اقتدار نہ تھا۔ اس صورت میں بھی جناب موصوف کا اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسا کہنا یقیناً کفر ہے اور وجود عرش سے بھی انکار قرار پایا جاتا ہے جو گمراہی سے کم نہیں اور اگر تخت سے حقیقی اور واقعی طور پر عرش ہی مراد ہے جیسا کہ اہلِ اسلام کا مذہب ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کو جلوہ فروز کہنا اس کی جسمانیت کے اعتقاد کو مستلزم ہو کر اس صورت میں بھی گمراہی قرار پاتا ہے اور یہی مذہب غیر مقلدین کا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر جلوہ فروز ہے جب کہ اہلِ سنت کے نزدیک اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ وہ کسی مکان پر جلوہ فروز و متمکن ہو۔ چنانچہ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

وہی لامکاں کے مکیں ہوئے سرِ عرش تخت نشیں ہوئے
وہ نبی ہیں جن کے ہیں یہ مکاں وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں

اب امام احمد رضا علیہ الرحمۃ نے جو آیت مذکورہ کا ترجمہ فرمایا اسے بھی ملاحظہ فرمائیے

"ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ" (السجدہ) (ترجمہ) پھر عرش پر استویٰ فرمایا (کنز الایمان شریف)

قرآنِ کریم میں یہ "اِسْتَوٰی" کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے وارد ہوا۔ اس کے حقیقی معنی تو عرش کے اوپر بیٹھنے کے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ بیٹھنے سے پاک ہے۔ لہٰذا کوئی تو اس سے مراد اس کا تجلی فرمانا لیتے ہیں لیکن صوفیاء کرام اور سلف صالحین کا مذہب وہ ہے جو امام اہلسنت اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ نے اختیار فرمایا۔ (ترجمہ)

"پھر عرش پر استوا ہوا جیسا اس کی شان کے لائق ہے"

(کنز الایمان سورۃ اعراف آیت ۵۴)

اور صاحب رُوح المعانی فرماتے ہیں۔

ان المشهور من مذهب السلف فی مثل ذلک تفویض المراد منه الی الله تعالیٰ فهم یقولون استوی علی العرش علی الوجه الذی عناه سبحانه وتعالیٰ منزها عن الاستقرار والتمکن (الی) وقد اختار ذلک السادة الصوفیه۔

بلاشبہ ایسی آیات میں سلف صالحین سے مشہور اس کی مراد کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا ہے پس وہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے عرش پر اُس طور پر استوار فرمایا جو اس کی مراد ہے جب کہ وہ عرش پر پر جلوہ فروز و متمکن ہونے سے پاک ہے اور ساداتِ صوفیہ نے اسی معنیٰ کو پسند فرمایا۔

(تفسیر روح المعانی ج ۸ صـ۱۸۸)

لیجئے یہ ہے اہلِ حق کا مذہب ۔ لیکن جو جناب طاہر القادری نے معنی فرمایا جن کا سُنّی، حنفی اور قادری تک ہونے کا دعویٰ ہے وہ معنی نہ تو سلف صالحین کا معنی ہے اور نہ ہی صوفیہ کرام کا بلکہ اس معنی سے خدا تعالیٰ کے لئے ایسے امور لازم آتے ہیں جن کا اعتقاد بلاشبہ گمراہی بلکہ کفر تک قرار پاتا ہے۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

سچ کہتے ہیں " نیم ملا خطرۂ ایمان "۔

جناب طاہر القادری کی تحریف نمبر ۲۹

جناب پروفیسر طاہر القادری نے اجتہادنو کی آڑ میں قرآن کریم کی معنوی تحریف کا جو سلسلہ شروع فرما رکھا ہے۔ اس کی دوسری مثال ملاحظہ فرمائیں۔ وہ اپنی اسی کتاب "سورۃ فاتحہ اور تعمیر شخصیت" کے صفحہ ۱۲ پر لکھتے ہیں

فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ط (الانعام ۴۴) ترجمہ لکھتے ہیں "ہم نے ان کے اوپر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ وہ خوش ہو گئے۔

ترجمہ کا یہ حصہ " یہاں تک کہ وہ خوش ہو گئے"۔ غلط اور قرآن مجید کی تحریف معنوی ہے۔ پروفیسر صاحب نے قرآن کریم کے وہ الفاظ شریفہ نہیں لکھے جن کا یہ ترجمہ ہے بلکہ ان کا ترجمہ نقل کر ڈالا اور عجیب بات یہ ہے کہ جناب میں صحیح ترجمہ نقل کرنے کی صحیح صلاحیت نہیں۔ اس لئے ترجمہ کو بھی غلط نقل کیا۔ کیونکہ اس لفظ إِذَا کا ترجمہ "جب" کو چھوڑ دیا حالانکہ اس کے بغیر آیت کا مفہوم ہی مختلف ہو جاتا ہے۔ اب قارئین قرآن کریم کے وہ الفاظ ملاحظہ فرمائیں جن کا ترجمہ غلط لکھ ڈالا۔ لیکن وہ الفاظ نقل نہیں کیے۔ وہ الفاظ اور ان کا صحیح ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

"حَتّٰى إِذَا فَرِحُوا" (الانعام ۴۴) " یہاں تک کہ جب وہ خوش ہو گئے"۔ یہ صحیح ترجمہ ہے

لیکن جناب نے شروع کے لفظ "حَتّٰى" کا ترجمہ تو لکھ ڈالا۔ اور آخری لفظ "فَرِحُوا" کا ترجمہ بھی فرما دیا۔ مگر درمیان کے لفظ "إِذَا" کا ترجمہ اڑا گئے یا چھوڑ دیا۔

قارئین! یہ ایک حقیقت ہے کہ جیسے قرآن کریم کے الفاظ میں کمی بیشی کرنا تحریف لفظی ہے اور یہ نہایت ہی بری بات ہے۔ اسی طرح اس کے معنوں میں بھی

کمی یا بیشی کرنا تحریفِ معنوی (معنوں میں ردّ و بدل کرنا) ہے اور یہ بھی نہایت ہی بُری بات ہے۔ کیونکہ دشمنانِ اسلام اس پر بھی اعتراض کرتے ہیں کہ اگر اہلِ کتاب نے آسمانی کتابوں کے الفاظ و عبارات میں تبدیلی کی تو تمہارے مسلمان بھائی قرآن کے معنوں میں ردّ و بدل کر لیتے ہیں۔ اس لئے قرآنِ کریم کے کسی بھی لفظ کا ترجمہ کرتے وقت اس کے ہر پہلو پر غور کرنے اور اس کے عربی گرامر کے اعتبار سے تمام تقاضوں کو پیشِ نظر رکھنا نہایت ضروری ہے۔ بلاشبہ قرآنِ کریم کا ترجمہ کرنا مرادِ الٰہی کا تعین کرنا ہے اور اس تعین میں ذرا سی غفلت سے معنی میں معمولی سا بھی فرق آ گیا تو وہ خدا تعالےٰ پہ افتراء و بہتان ہو گا اور خدا تعالےٰ پر اور اسی طرح اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر بہتان باندھنا کسی مسلمان سے متوقع نہیں ہے۔

سو، کلامِ حق میں کج ادائی نہ کرو
اللہ کے ساتھ بے وفائی نہ کرو

تحریفِ قرآن نمبر ۳۰

پروفیسر طاہر القادری صاحب کی معنوی تحریفِ قرآن کی چوتھی مثال ملاحظہ فرمائیں موصوف اپنی اسی کتاب "سورۃ فاتحہ اور تعمیرِ شخصیت" کے صفحہ ۲۰ پر ایک آیت اور اس کا ترجمہ لکھتے ہیں۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ۔ (آل عمران ۹۶)

بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے (جمع ہونے کے) لئے بنایا گیا وہ مکہ میں ہے۔

ناظرین! دیکھئے پروفیسر صاحب نے بین القوسین یعنی دو بریکٹوں کے درمیان (جمع ہونے کے لئے) کا غلط اضافہ کر کے قرآنِ کریم کی معنوی تحریف کا ارتکاب کیا ہے۔ کیونکہ بیت اللہ لوگوں کی عبادت کے لئے ہے نہ کہ محض جمع ہونے کے لئے۔ جہاں تک لوگوں کے جمع ہونے کا تعلق ہے وہ تو میلہ ٹھیلہ کی صورت میں جاہلیت کے دور میں ہوا کرتا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل بھی لوگ وہاں جمع ہوتے۔ بلکہ کپڑے بھی اتار کر جمع ہوتے تھے۔ اپنے آباء و اجداد کے جاہلیت پر مبنی کارناموں کا وہاں بڑے فخر و مباہات سے تذکرہ کرتے تھے۔ شور مچاتے اور سیٹیاں بجاتے اور خود قرآن اس پر روشنی ڈالتا اور فرماتا ہے۔

وَمَا کَانَ صَلَاتُھُمْ عِنْدَ الْبَیْتِ اِلَّا مُکَآءً وَّتَصْدِیَۃً ط (الانفال ۳۵)

اور کعبہ کے پاس ان کی نماز نہیں مگر سیٹی اور تالی (سورۃ انفال ۳۵)

اس کی تفسیر میں ہے کہ کفارِ مکہ بیت اللہ کے پاس جمع ہو کر سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ قریش ننگے ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے اور سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے۔ اسی طرح سورۃ بقرہ میں فرمایا گیا۔

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ (البقرہ ۲۰۰) تو اللہ کا ذکر کرو جیسے اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے تھے۔

زمانۂ جاہلیت میں عرب، حج کے بعد کعبہ کے قریب جمع ہو کر اپنے باپ دادا کے فضائل بیان کیا کرتے تھے۔ اسلام میں بتایا گیا کہ یہ شہرت و خود نمائی کی بے کار باتیں ہیں۔ بجائے اس کے ذوق و شوق کے ساتھ ذکرِ الٰہی کیا کرو۔ پروفیسر صاحب نے اس آیت کے ترجمہ میں دو بریکٹوں کے درمیان "جمع ہونے کے لیے" کا غلط اضافہ کر کے قرآن کریم کے مفہوم میں جاہلیت والے دور کے لوگوں کے جمع ہونے کا جو احتمال پیدا کر دیا یہ ہرگز ہرگز خدا تعالیٰ کی مراد نہیں۔ اس لیے کسی بھی مفسر نے ایسا نہیں فرمایا۔ بلکہ خدا تعالیٰ کی مراد یہ ہے

کہ سب میں پہلا گھر جسے لوگوں کی عبادت گاہ بنایا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے۔

چنانچہ امام اہلِ سنت اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ اس کا ترجمہ فرماتے ہیں۔

"بے شک سب میں پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کو مقرر ہوا وہ ہے جو مکہ میں ہے۔" (کنز الایمان)

امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ بھی یہی معنی فرماتے ہیں کہ

ان اول بیت وضع (متعبدا للناس) فی الارض (للذی ببکۃ) (جلالین مصری صفحہ ۹)

بے شک سب میں پہلا گھر جو (زمین میں) لوگوں کی عبادت گاہ مقرر ہوا وہ ہے جو مکہ میں ہے

ناظرین! دیکھیے امام صاحب نے "مُتَعَبَّدًا" کا لفظ ارشاد فرما کر واضح کر دیا کہ لوگوں کے جمع ہونے کے لیے نہیں۔ عبادت کے لیے ہی مقرر ہوا۔ یوں تو لوگوں کے ہزاروں مقامات پر اجتماع اور میلے ہوتے ہیں لیکن ضروری نہیں کہ وہ جمع ہونا عبادت قرار پائے۔

امام قاضی بیضاوی فرماتے ہیں۔

"ای وضع للعبادة وجعل متعبد الھم" (تفسیر بیضاوی صفحہ ۷۲)

یعنی سب میں پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کے لئے اور ان کی عبادتگاہ مقرر ہوا (وہ ہے جو مکہ میں ہے)

امام نسفی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ

ومعنی وضع اللہ بیتا للناس انہ جعلہ متعبدا لھم فکانہ قال ان اوّل متعبد للناس الکعبۃ (مدارک ج ۱ صفحہ ۱۷۰)

اس کا معنی یہ ہے کہ سب میں پہلا گھر جسے اللہ نے لوگوں کے لئے عبادت گاہ بنایا۔ تو گویا اللہ نے یوں ارشاد فرمایا۔ لوگوں کے لئے پہلی عبادتگاہ کعبہ ہے۔

الحاصل، اس آیت کے معنی میں خود ساختہ اور من گھڑت مفہوم (جمع ہونے کیلئے) شامل کرنا مرادِ الہٰی و تفسیر آئمہ کرام کے منافی اور قرآن کی تحریفِ معنوی ہے۔

طاہر القادری صاحب نے ترجمہ میں غلط اضافہ کر کے ائمہ تفسیر کے مقابلہ میں اپنا راستہ الگ اور منتہائے نظر مختلف کر لیا۔ جسے گمراہی کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا

ع دونوں کا منتہائے نظر ہے جو مختلف
ہے خود بخود ہر ایک کا طرزِ بیاں الگ

تحریفِ قرآن نمبر ۳۱

پروفیسر صاحب کے سلسلۂ تحریفِ قرآن کی ایک اور کڑی ملاحظہ ہو۔ موصوف اپنی اسی کتاب "سورۂ فاتحہ اور تعمیرِ شخصیت" کے صفحہ ۶۰ پر ایک آیت لکھ کر اس کا ترجمہ بھی لکھتے ہیں۔

"وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَّحِكْمَةٍ ا (تا آخر آیت ۸۱ سورۂ آل عمران)

(ترجمہ) اور جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے یہ وعدہ لیا کہ جب تمہیں کتاب و حکمت عطا کروں۔ تا آخر (سورۂ آل عمران آیت ۸۱)

پروفیسر طاہر القادری صاحب نے جو اس آیت میں "لَمَا آتَيْتُكُمْ" کا ترجمہ کیا ہے "جب تمہیں کتاب و حکمت عطا کروں" یہ ترجمہ بلاشبہ قرآن کی تحریفِ معنوی ہے۔ کیونکہ آیت میں لفظ "لما" میم کی تشدید کے بغیر ہے لیکن موصوف نے یہاں "لَمَّا" میم کی تشدید والے لفظ کا معنی کیا ہے اور "لَمَّا" کے معنی "اِذْ" "جب" کے ہیں چنانچہ المغنی میں ہے کہ

وقال ابن مالک: بمعنی اذ، وهو حسن، (المغنی ج ۱ ص ۳۱۰)

امام ابن مالک نے فرمایا کہ "لَمَّا" اِذْ کے معنی میں ہے اور یہ اچھا ہے۔ (الیٰ آخرہ)

جب "لَمَّا" "اِذْ" کے معنی میں ہوا تو اس کے معنی "جب" کے ہی ہوئے اور پروفیسر صاحب نے یہی معنی کیے ہیں۔ حالانکہ ہماری قرأت و تلاوت میں اور ہمارے سامنے جو قرآن کریم ہے اس میں "لَمَّا" نہیں ہے بلکہ یہ "لَمَا" (یعنی میم کی تشدید کے بغیر) ہے اور "لَمَا" کے معنی "جب" کے نہیں ہیں۔ طاہر صاحب کو اس بات کی سمجھ ہی نہیں ہے کہ "لَمَا" دو لفظوں سے مرکب ہے۔ جن میں سے ایک تو لام ہے

اور دوسرا "ما" ہے دونوں کے باہم ملنے سے "لَمَا" بن گیا۔ اس میں لام قسم کے محل کے لئے ہے اور "ما" شرطیہ (غیر زمانیہ) ہے۔ جیسا کہ تفسیر روح المعانی میں ہے کہ :-

"اللام فی "لَمَآ آتَیْتُکُمْ" (الی ان قال) موطئة للقسم (الی ان قال) وما شرطیة فی موضع نصب باٰتَیْتُ"

"لَمَا اتیتکم" میں لام قسم کے محل کے لئے ہے اور "ما" شرطیہ بہ وجہ آتیت محلاً منصوب (مفعول) ہے۔

(روح المعانی ج ۳ ص ۲۱۰)

ناظرین! پروفیسر طاہر القادری نے جو ترجمہ کیا کہ
"جب تمہیں کتاب و حکمت عطا کروں"
وہ آیتِ قرآن کے لفظ "لَمَا" کا معنی نہیں ہے۔
بلکہ یہ تو سرے سے اس کے معنی کے ہی خلاف ہے لہٰذا اسے تحریفِ معنوی کہا جائے گا جب کہ اس کا صحیح ترجمہ یوں ہوگا۔
"جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول" الی آخرہ" (ترجمہ اعلیٰ حضرت)
پروفیسر صاحب "لَمَا" کے لفظ کو غلطی سے "لَمَّا" کا ہم معنی لفظ سمجھ کر اس کا ترجمہ "لَمَّا" کا ہی کر ڈالا۔

طاہر القادری صاحب عربی لغت سے بے خبر

طاہر القادری صاحب کا یہ کہنا کہ لفظ شئ "شاء یشیء" سے مشتق ہے بڑی جہالت کا مظاہرہ ہے۔

لفظ "شیء" کی مضحکہ خیز تحقیق

قارئین! ملاحظہ فرمائیں کہ علامہ، پروفیسر اور ڈاکٹر کہلانے والے اور خصوصاً علامہ روزنامہ نوائے وقت، لفظ "شیء" کی کیسی مضحکہ خیز تحقیق فرماتے ہیں۔

"اس آیت (ان اللہ علی کل شیء قدیر) میں لفظ شیء جو شاء یشیء بمعنی چاہنا سے مشتق ہے۔ شیء جو اصل میں "شَیِیءٌ" بروزن فعیل، تھا۔ کے معنی ہیں وہ چیز جسے چاہا گیا۔ جس کا ارادہ کیا گیا۔ گویا اس وجود کو جس کے پیدا کرنے کا خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا شیء کہا جاتا ہے۔ بہ ظاہر اس آیت میں یہ دکھائی دیتا ہے کہ یہ دونوں الفاظ یعنی ارادہ۔ اس نے ارادہ کیا اور شیء جسے چاہا گیا ہم معنی ہیں"

(اجزائے ایمان حصہ اول ص ۲۲۶)۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

ڈاکٹر طاہر نے لفظ "شیء" کی درج ذیل مضحکہ خیز تحقیق فرمائی ہے جسے ہم ان کی کتاب "اجزائے ایمان" کے صفحہ ۲۲۶ سے اوپر کی سطور میں نقل کر چکے ہیں اب نمبر وار ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ لفظ شیء "شاء یشیء" سے مشتق (بنایا گیا) ہے۔

۲۔ لفظ "شیء" اصل میں شَیِیءٌ بروزن "فعیل" ہے۔

۳۔ اس وجود کو، جس کے پیدا کرنے کا خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا "شیء" کہا جاتا ہے

۴۔ اَرَادَ (اس نے ارادہ کیا) اور شیء (جسے چاہا گیا) ہم معنی ہیں۔

(اجزائے ایمان حصہ اول ص ۲۲۶)

ادارہ منہاج القرآن، قرآن کا نہیں جہالت کا منہاج ہے

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ادارہ منہاج القرآن، قرآن کا نہیں جہالت کا منہاج ہے طاہر القادری، اس کی کتابوں پر نظرثانی کرنے والے اور ترتیب و تدوین کے ذمہ دار، سبھی لغتِ عرب سے بے خبر اور بے بہرہ ہیں۔ یہ قوم کے بچوں کا مستقبل جہالت کی تاریکیوں کے حوالے کرنے والے، سادہ لوح مسلمانوں کی بے پناہ دولت، ماہانہ چندے اکٹھے کر کے برباد کرنے والے اور خدا خوفی سے کوسوں دور، روزِ قیامت کے حساب کے لئے تیار رہیں۔

اہل علم حضرات سے اور خصوصاً ان بزرگوں سے جو اربابِ اقتدار کی خوشنودی یا ذاتی تعلقات کی بنا پر یا بے خبری کے باعث اس ادارہ کو علم و عرفان کا گہوارہ قرار دیتے پھر رہے ہیں۔ آنکھیں کھولیں۔ حقائق کا مشاہدہ کریں، ورنہ وہ ان جعلی مفکروں کے ہمراہ روزِ قیامت ایک ہی رسی کے ساتھ باندھے جائیں گے۔ خدا کے لئے غور کریں کہ کیا لفظ "شیئ" "شاء یشیئ" سے مشتق ہے؟ ایسے آنکھوں کے اندھے اور جہالت کے بندے کو قرآن مجید بھی بھول گیا؟ واقعی بھول گیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان باندھے کہ آپ نے فرمایا کہ "میں دین کی خدمت تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ ادارہ منہاج القرآن بناؤ میں تمہارے پاس لاہور آؤں گا"۔ (اس قسم کا خواب کوئی شرعی حجت نہیں ہوتا) لاحول ولا قوۃ الا باللہ، سبحانک ھذا بہتان عظیم" اسے قرآن بھول ہی جائے گا۔ اسے قرآن میں یہ دیکھنے کی توفیق کہاں کہ قرآنِ کریم میں شاء یشیء کہیں نہیں استعمال ہوا اور نہ ہی کہیں لغتِ عرب میں اس کا تصوّر ملتا ہے۔ بلکہ یہ لفظ "شآء یشآء" ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان " وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ " قرآن میں کس نے

نہیں پڑھا۔ لفظِ شئی سارے قرآنِ کریم میں تقریباً دوسو چورانوے (۲۹۴) بار آیا ہے۔ اوراس کا ماضی "شاءَ" تقریباً انسٹھ (۵۹) بار اور اس کا مضارع "یشآءُ" ایک سو انیس بار استعمال ہوا ہے اور اس کی جمع "یشاءُون" تقریباً پانچ (۵) بار وارد ہے۔ لفظ "یشآءُ" جو قرآنِ کریم میں ایک سو انیس بار آیا ہو پھر کوئی اسے "یشیئُ" بتائے وہ قرآنِ کریم کے الفاظ میں تحریف کا مرتکب قرار پاتا ہے یا نہ؟ ایسے شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو۔ ہرگز نہیں ہرگز نہیں، مسلمانو! عقل سے کام لو۔ ایسے شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم دین کی خدمت کا کام سونپیں۔ قسم بخدا، ہرگز ہرگز نہیں۔ جب آپ اپنے دفتر کا کام کسی ایسے شخص کو ہرگز نہیں سونپیں گے جو اس کا اہل نہ ہو۔ جسے آپ کے مطلوبہ کام کا علم وشعور نہ ہو۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک دین کا کام آپ کے دُنیوی دفتر سے بھی گیا گزرا ہے کہ آپ ایسے شخص کو خدمت سونپنے لگیں ہیں۔ جسے نہ قرآن کے الفاظ کا صحیح علم اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر صحیح عبور۔

اس بے لوث اور بے لاگ تحقیق نے عقلمندوں کے لئے ڈاکٹر طاہر قادری کی علمی حقیقت بے نقاب کردی ہے کہ اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ ان فریب کاریوں کے ذریعے قوم کی دولت سے خوب کھیلا جائے۔

زرِ قوم سے لے کے ایسا سامان کرو
جس سے کہ تمہاری بزم بن جائے بہشت!

کس قدر غضب کی بات اور جہالت کا مظاہرہ ہے کہ لفظ "شئ" "شاء یشیئ" سے مشتق ہے۔

صاحب تفسیر بیضاوی لکھتے ہیں جس سے علامہ صاحب کی لفظ شئ کے بارے میں کی گئی ساری تحقیق سراسر غلط ہو کر رہ جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

والشئ يختص بالموجود لانه في الاصل مصدر شاء اطلق بمعنى شائى تارة و حينئذ يتناول الباري تعالىٰ كما قال أي شئ اكبر شهادة قل الله شهيد وبمعنى مشيئ اخرى اى مشيئ وجوده وما شاء الله وجوده فهو موجود في الجملة (بیضاوی)

اور شئ، موجود کے ساتھ خاص ہے کیونکہ یہ اصل میں "شاء" (فعل ماضی) کا مصدر ہے۔ اس کا اطلاق کبھی "شائی" کے معنی میں ہوتا ہے اور اس وقت لفظ شئ اللہ تعالیٰ کو شامل ہوگا جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "کونسی چیز ہے جس کی گواہی سب سے بڑھ کر ہو؟ کہہ دیجئے، اللہ گواہ ہے اور کبھی لفظ شئ "مشیئ" کے معنی میں آتا ہے یعنی جس کا وجود چاہا ہوا ہو اور جس کا ہونا اللہ نے چاہا وہ ایک طرح سے موجود ہے۔

علامہ بیضاوی کے ارشاد سے یہ معلوم ہوا کہ لفظ شئ ہر موجود کے لئے ہے (یا جس کا موجود ہونا یقینی ہو گویا وہ موجود ہی ہو گیا۔ نیز یہ کہ "شئ"، مصدر ہے۔ اس سے طاہر القادری کی یہ بات بھی غلط ہو گئی کہ "شئ" اصل میں "شَيِيْءٌ" بروزن فعل تھا اور یہ کہ یہ مصدر (شئ) اللہ تعالیٰ کے لئے "شَائِیْ" (چاہنے والا) اسم فاعل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور دوسروں کے لئے "مَشِیْءٌ" (چاہا ہوا) اسم مفعول کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

اس کی شرح میں شیخ زادہ لکھتے ہیں۔

الشئ مصدر شاء یشاء ھاب یھاب۔ — شئی "شآء یشآءُ کا مصدر ہے شاءَ یشاءُ جیسے ہابَ یہابُ (ملتقطا)

(شیخ زاد علی البیضاوی ج ۱ صـ۱۷۳)

نیز یہی تحقیق امام شہاب الدین خفاجی علیہ الرحمۃ نے فرمائی ہے (ملاحظہ ہو عنایۃ القاضی وکفایۃ الراضی علی تفسیر البیضاوی ج ۱ صـ۴۱۲ - ۴۱۳)

خلاصہ یہ کہ طاہر صاحب کا شئی کی تعریف و توضیح اور اس کے باب کے سلسلے میں "شاء یشیئ" ارشاد فرمانا اور "مشَیئ" کی اصل مشَییئ بروزن "فعیل" قرار دینا اس حقیقت کا بیّن ثبوت ہے کہ موصوف عربی زبان کی گرامر بلکہ اس کے عام مستعمل الفاظ تک کے حقائق سے بے خبر ہیں۔ ایسے شخص کو علامہ، مفکر اور مفسر کا لقب دینا ان مقدس الفاظ کا بے جا استعمال ہی نہیں دین کا مذاق اڑانا ہے۔ جو شخص لفظ "شئی" کے بارے میں صحیح معلومات تک سے بے بہرہ ہو وہ اگر یہ دعویٰ کرے کہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی خدمت سونپی ہے اور دودھ کا پیالہ پلایا تھا اور ادارہ منہاج القرآن بنانے کا حکم فرما کر لاہور تشریف لانے کا وعدہ فرمایا، کسی طرح صداقت پر مبنی نہیں۔ یقیناً ان کے بارے میں ان کے مداح غلط فہمی میں ہیں، خدا کرے اس بے لاگ تحقیق سے ان پر حق واضح ہو جائے۔ ؎

اب تک ان کی عقل سے پردہ ہٹا نہیں
سمجھا اسی کو آسرا جو آسرا نہیں!

سلسلۂ تحریفات

حدیثِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

طاہر القادری نے قرآنِ کریم کی طرح حدیث شریف پر بھی ہاتھ صاف کر ڈالا اور اس میں بھی تحریفیں کیں یا جہالتوں کا مظاہرہ کیا۔ اس سلسلے میں اس کی اپنی کتابوں اور بعض کیسٹوں کے حوالے سے ملاحظہ فرمائیں۔

تحریفِ حدیث نمبر ۱

پروفیسر طاہر القادری صاحب کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ" انہوں نے دورۂ حدیث اپنے والدِ معظم سے پڑھا اور یہ کہ حضرت علامہ ابوالبرکات سیّد احمد قادری لاہور کے درسِ حدیث میں بھی شریک ہوتے رہے اور یہ کہ پاکستان کے نامور عالمِ دین، غزالی دوراں حضرت سیّد احمد سعید کاظمی نے ان کی دینی قابلیت اور علمی استعداد و بصیرت کے پیشِ نظر طریقۂ محدثین پر آپ (پروفیسر صاحب) کو سندِ حدیث عطا کی۔" (نابغہ صفحہ) پروفیسر صاحب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان کو علمِ حدیث پر بھی عبور حاصل ہے اور وہ طریقۂ محدثین کے مطابق سندِ حدیث لے کر محدث بھی ہو گئے ہیں۔

آئیے! پروفیسر صاحب کی قرآن دانی کے ساتھ ساتھ ان کی حدیث دانی کا جائزہ بھی لیتے چلیں اور ان کی اس بشارت کی روشنی میں کہ" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ:-

" تم اللہ کے دین کا، میری امت کی نصرت اور
میری سنت کی خدمت کا اور میرے دین کی سربلندی
کا کام کرو، میں یہ کام تمہارے سپرد کرتا ہوں۔"

(قومی ڈائجسٹ ماہ نومبر ۱۹۸۶ء صفحہ ۲۴)

دیکھیں کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت و حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی کس حد تک سمجھ رکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظرِ انتخاب نے بڑے بڑے اکابر علماء کو چھوڑ کر اپنی سنت و حدیث اور اپنے دین کے بیڑے کا انکو واحد ناخدا بنا دیا ہے۔

پروفیسر صاحب اپنی اسی کتاب" سورۃ فاتحہ اور تعمیرِ شخصیت" کے صفحہ ۲۷ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث لکھتے اور ساتھ ہی اس کا ترجمہ رقم فرماتے ہیں ملاحظہ ہو

صحیح مسلم میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بام القران۔

(ترجمہ) جس نے اپنی نماز میں ام القرآن نہ پڑھی۔ اس کی نماز ناقص ہے، ناقص ہے، ناقص ہے۔

ناظرین! اس حدیث کا ہرگز ہرگز یہ ترجمہ نہیں ہے۔ اس حدیث کا یہ ترجمہ کرنا، بلاشبہ پروفیسر صاحب کے ذہنی عدم توازن پر دلالت کرتا ہے۔ اس سے ان کا نہ صرف حدیث دانی کا دعویٰ بے حقیقت معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ اس سے قومی ڈائجسٹ کو دیئے گئے ان کے انٹرویو میں مذکورہ بشارت بھی خود ساختہ، جعلی اور جھوٹی قرار پاتی ہے۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خون نہ نکلا

حالانکہ کسی جامعہ کے معمولی سے سمجھدار طالب علم کو بھی اس حدیث کا ترجمہ کرنے کو کہا جائے تو وہ بہ آسانی اس کا صحیح ترجمہ کر ڈالے۔ اس کا صحیح ترجمہ یوں ہے۔ "اس کی نماز نہیں جس نے ام القرآن نہ پڑھی۔"

ناظرین! دیکھئے، دونوں ترجموں میں کس قدر فرق ہے۔ پھر سوچئے بھی، کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی، جس پہ دین کی عمارت قائم ہے۔ صحیح ترجمانی کرنے سے بھی قاصر ہو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دین کی خدمت اور اس کی ترقی کا کام کیونکر سونپ سکتے ہیں؟ دین کا کام ایک ایسا اہم اور علمی کام ہے کہ اس کے لئے بڑے مستند و محقق علم و عرفان کی ضرورت ہے۔

نہ ہر کہ طرف کلہ کج نہاد و تند نشست
کلاہ داری و آئین سروری داند!

حدیثِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم میں تحریف نمبر ۲

جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ پروفیسر طاہر القادری صاحب نہ صرف قرآن کریم کے علوم سے بے خبر ہیں بلکہ علوم حدیث سے بھی ناواقف ہیں اس لئے وہ قرآنِ کریم کے ساتھ حدیث کی تحریف کے بھی مرتکب ہو رہے ہیں۔

اس کی دوسری مثال ملاحظہ ہو وہ اپنی اسی کتاب "سورۃ فاتحہ اور تعمیرِ شخصیت" کے صفحہ ۳۷ پر درج ذیل حدیث نقل کر کے اس کا ترجمہ کرتے ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا اخبرک باخیر سورۃ مزلت فی القران قلت بلی یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فاتحۃ الکتاب واحسبہ قال فیہا شفاء من کل داء۔	رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں قرآن کی ایک اعلیٰ اور افضل سورت کے بارے میں نہ بتاؤں؟ میں نے عرض کیا۔ یارسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرور فرمائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وہ فاتحۃ الکتاب ہے اور میں اسے کافی سمجھتا ہوں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس میں ہر مرض کے لئے دوا ہے۔

اس حدیث میں پروفیسر صاحب نے دو غلطیاں کر کے حدیث میں تحریف کر ڈالی ہے۔ حدیث کی عبارت " واحسبہ " کا ترجمہ کیا کہ حضور نے فرمایا " میں اسے کافی سمجھتا ہوں۔"

طاہر القادری کی افعالِ قلوب کے قاعدہ سے بے خبری

قارئین! طاہر القادری کا حدیث کے لفظ

کریم "واحسبہٗ" کا ترجمہ "میں اسے کافی سمجھتا ہوں" کرنا عربی گرامر کے قواعد سے اور خصوصاً افعالِ قلوب کے قاعدہ سے بے خبری اور جہالت کا عظیم مظاہرہ ہے۔ اہلِ علم حضرات جانتے ہیں کہ "حَسِبَ یَحْسِبُ" افعالِ قلوب میں سے ہے اور دو مفعولوں کے ساتھ متعدی ہوتا ہے۔ طاہر صاحب کا "اَحْسِبُہٗ" کا ترجمہ "میں اسے کافی سمجھتا ہوں" کرنا بایں صورت درست ہو گا کہ اس میں لفظ "کافیاً" محذوف کر دیا جائے۔ یعنی احسبہ" میں ہا ضمیر مفعول اول ہو اور "کافیا" مفعول ثانی محذوف ہو۔ لیکن اس صورت میں دو خرابیاں لازم آتی ہیں۔ ایک یہ کہ "اَحْسِبُہٗ" کی "ہ" ضمیر مذکر کے لئے ہوتی ہے جب کہ "سورۃ فاتحہ" میں لفظ سورۃ مؤنث ہے اگر اس سے مراد سورۃ فاتحہ ہوتی اور یہ ضمیر سورۃ فاتحہ کی طرف لوٹتی ہوتی تو "اَحْسِبُ" فعل کے ساتھ مذکر کی ضمیر نہ ہوتی بلکہ مؤنث کی ہوتی اور عبارت "احسبہ" کی بجائے "اَحْسِبُھَا" ہوتی۔ چنانچہ خود طاہر صاحب کی نقل کردہ عبارتِ حدیث میں "احسبہ" کے بعد "فِیْھَا شِفَاءٌ من کل داءٍ" میں لفظ "فیھا" مؤنث کی ضمیر "ھا" کا ہونا بطور دلیل کافی ہے اور طاہر صاحب کی علمی نالائقی پر جس قدر افسوس کیا جائے کم ہے کہ اس قدر بات بھی نہیں سمجھتے کہ "اَحْسِبُہٗ میں "ہ" مذکر کی ضمیر سورۃ کی طرف نہیں لوٹ سکتی۔ کیونکہ لفظ "سورۃ" مؤنث ہے۔ اس میں تائے تانیث موجود ہے پھر اس کے بعد "فیھا" مؤنث کی ضمیر موجود ہے۔ طاہر صاحب کی جہالت سے سید عالم افصح العرب والعجم تلمیذ ربِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت پر بھی اعتراض لازم آتا ہے۔ اور دشمنانِ اسلام کے لئے سرکار کی ذاتِ اقدس کی فصاحت پر اعتراض کرنے کا موقع بھی نکلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی عبارت "احسبہ فیھا شفاءٌ الخ" میں سورۃ کے لفظ کو دو ان ضمیروں کا مرجع ہے مذکر بھی ٹھہرا لیا اور مؤنث بھی بنا لیا۔

(معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) اور دوسری خرابی یہ لازم آتی ہے جسے طاہر صاحب نہیں سمجھے کہ "احسبہ" کا "میں اسے کافی سمجھتا ہوں" ترجمہ کرنے کی صورت میں "احسبہ" فعل کا مفعول ثانی محذوف ماننا پڑے گا اور یہ عربی گرامر کے قاعدہ کے خلاف ہوگا چنانچہ درس نظامی کی مشہور کتاب "ھدایۃ النحو" میں لکھا ہے۔

واعلم ان لهذه الافعال خواص منها ان لا يقتصر على احد مفعوليها۔
(ہدایۃ النحو صفحہ ۹۴)

اور معلوم ہونا چاہیئے کہ ان افعالِ قلوب کی کچھ خاصیتیں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ان کے دو مفعولوں میں سے کسی ایک پر اکتفا نہیں کیا جاسکتا۔

مگر بے چارے مصنف کو کیا معلوم تھا کہ پندرھویں صدی میں جھنگ کا ایک انقلابی وکیل اُٹھے گا اور ادارہ منہاج القرآن قائم کرکے اجتہاد فرمائے گا۔ قرآن وسنت اور اجماعِ امت کے مسلمہ احکام میں ترمیمیں وتنسیخیں کرے گا۔ اور ساتھ ہی عربی گرامر کے مسلمہ اصولوں میں بھی تبدیلیاں کرکے بزعم خود دین کی نئی تعبیرات وتوجیہات کے لئے راہیں ہموار فرمائے گا۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

؎ بگڑا کچھ اس ادا سے کہ رخ ہی بدل گیا
ایک شخص ہی سارے علم کو ویراں کر گیا

غرض یہ کہ طاہر صاحب نے جو حدیث کا ترجمہ فرمایا وہ دنیائے علم کے چہرے پر بدنما داغ ہے۔ بلاشبہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان بھی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرگز یہ نہیں فرمایا۔ پروفیسر صاحب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر یہ بہتان باندھ کر اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا مصداق بنا دیا ہے کہ:۔

مَن كذب عليَّ ...

جس نے دیدہ دانستہ مجھ پر

متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار (صحیح مسلم ج ۱ صفحہ ۷) جھوٹ بولا یعنی میری طرف کسی ایسی بات کی نسبت کی جو میں نے نہیں کہی وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔

دراصل موصوف اس حدیث کا مفہوم ہی نہیں سمجھے کیونکہ انہوں نے کسی ماہر حدیث استاذ سے حدیث پڑھی ہی نہیں ورنہ حدیث کے معنی کرنے میں وہ اندھیروں میں نہ بھٹکتے پھرتے۔ قارئین! یقین فرمائیں کہ " واحسبه قال " کے الفاظ جنہیں یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر رہے ہیں یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہیں ہی نہیں۔ بلکہ یہ حدیث کے راوی کے الفاظ ہیں اور یہ حدیث تفسیر درمنثور میں ہے۔ راوی یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں گمان کرتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ فاتحہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔

"فیہا شفاء من کل داءٍ" (ترجمہ) اس میں ہر بیماری سے شفا ہے

(تفسیر درمنثور جلد ۱ ص ۵)

مگر قرآن و سنت کے مُحرّف (معنوں میں تبدیلی کرنے والے) پروفیسر صاحب جنہیں سادہ لوح عوام یا دنیائے علم و عرفاں سے ناواقف لوگوں نے مفسر قرآن اور مفکر اسلام سمجھ رکھا ہے۔ ان الفاظ کو راوی کی طرف سے سمجھنے کے بجائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ قرار دے رہے ہیں اور افعال قلوب سے متعلق عربی قاعدہ کی دھجیاں اڑا رہے ہیں لاحول ولاقوۃ

اور دوسری غلطی یہ کی کہ اس کے بعد حدیث کے الفاظ

"فیہا شفاءٌ من کل داءٍ" کے معنی بھی غلط فرمائے کہ "اس میں ہر مرض کے لیے دوا ہے۔" جب کہ اس کا صحیح ترجمہ یوں ہے "اس میں ہر بیماری سے شفاء ہے۔" لیکن خود ساختہ علامہ نے شفاء کے معنی دوا کے کر ڈالے، جب کہ شفاء اور دوا میں آسمان و زمین کا فرق ہے کہ شفاء اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے

اور دوا بندوں کی طرف سے پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ دوا کے بغیر بھی شفاء عطا کر سکتا ہے غرضیکہ طاہر القادری صاحب کا "شفاء" کا ترجمہ "دوا" سے کرنا بھی حدیث کے معنوں کی تحریف ہے۔

کاش کہ ہماری سُنّی قوم (جو اس کی شب بیداریوں کے چکر میں ہے) کچھ علمی شعور رکھتی ہوتی۔ تو اس پر حقیقت منکشف ہو جاتی کہ یہ شخص دین کا نعرہ بلند کر کے اسے دین سے دور لے جا رہا ہے ؎

اے قوم! کہاں ہے تو کدھر ہے
کیوں حال سے دیں کے بے خبر ہے

حدیثِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریف نمبر ۳

پروفیسر صاحب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے معنوں کی بھی تحریف کر ڈالی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ شریفہ کے سلسلے میں بڑی شہرت رکھتی ہے جسے وہ اپنی اسی کتاب "سورۃ فاتحہ اور تعمیرِ شخصیّت" کے صفحہ ۵۹ پر نقل کر کے اس کا ساتھ ہی ترجمہ فرماتے ہیں۔ ہم حدیث کا وہ خاص حصّہ نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جس کے معنوں میں موصوف نے تحریف فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

ورؤیا امی التی رات حین وضعتنی قد خرج منھا نور اضاء لھا منہ قصور الشام

(ترجمہ) اس کے علاوہ میری والدہ کا وہ خواب تھا جو انہوں نے میری ولادت سے پہلے دیکھا تھا اور انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا کہ ان میں سے ایک نور نکلا جس کے سبب شام کے محلّات روشن ہو گئے۔

پروفیسر صاحب نے اس حدیث میں چار غلطیاں کر کے اس میں چار تحریفیں کی ہیں۔ پہلی غلطی یا تحریف یہ ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تولد کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے اپنے سے جو نور ظاہر ہوتا دیکھا تھا اسے خواب بنا دیا حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ نے یہ نور خواب میں نہیں بیداری میں دیکھا تھا۔ پروفیسر صاحب نے رؤیا کا معنیٰ خواب ہی سمجھ لیا جب کہ رؤیا خواب کے معنی میں بھی آتا ہے اور بیداری میں آنکھ سے دیکھنے کے معنی میں بھی۔ چنانچہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي

(ترجمہ) اور نہیں کیا ہم نے اس رؤیا

اریناک الافتنۃ للناس — کو جو ہم نے آپ کو دکھایا لیکن لوگوں کے لیے آزمائش۔

(الاسراء۔ ۶۰)

ایک تاویل کی رو سے اس آیت کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کے ساتھ ہے اور "رویا" سے مراد رویائے بصری (سر کی آنکھ کے ساتھ دیکھنا) ہے اور عربی زبان میں "رویا" سر کی آنکھ کے ساتھ (بیداری میں) دیکھنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ چنانچہ "دیوان متنبی" میں ہے ؎

مضی اللیل والفضل الذی لک لا یمضی
ورؤیاک احلی فی العیون من الغمض

(دیوان متنبی ص۱۵۷ طبع مجبوب المطالع دہلی ۱۳۵۲ھ)

ترجمہ:۔ رات ختم ہو گئی لیکن تیرا فضل ختم نہ ہو گا
اور تیرا دیدار آنکھوں میں نیند سے زیادہ میٹھا ہے

متنبی نے یہاں اپنے دیوان میں لفظ "رؤیا" کو چشم سر یعنی بیداری میں دیکھنے کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

ھی رویا عین اریھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ اسری بہ الی بیت المقدس (صحیح البخاری ج۱ ص۵۶۰)

کہ یہ رویا چشم سر یعنی بیداری کی حالت میں تھا جو بیت المقدس کی طرف شب معراج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا گیا۔

اسی حدیث پر امام کرمانی شرح بخاری میں فرماتے ہیں کہ

انما قید الرؤیا بالعین اشارۃ الی انھا فی — کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے لفظ "رؤیا" کو لفظ عین کے ساتھ

الیقظۃ (حاشیہ بخاری نمبر۲) مقید کیا۔ اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ رؤیا، بیداری میں تھا۔

غرضیکہ "رؤیا" کے معنی صرف نیند یا خواب میں کچھ دیکھنے کے ہی نہیں ہیں جیسا کہ پروفیسر صاحب نے اپنی کم علمی کی وجہ سے یہی سمجھ لیا اور حدیث کے معنی غلط کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کی اس عظیم الشان کرامت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارہاص شریف (ایک طرح کے معجزہ) کو خواب قرار دے کر اس کی شان کم کرنے کی کوشش کی ہے (العیاذ باللہ) بلکہ یہاں "رؤیا" سے مراد بیداری کی حالت میں ہی اس نورِ مبارک کا دیکھنا ہے۔

چنانچہ اسی حدیث کی شرح میں، جسے پروفیسر طاہر القادری صاحب خواب قرار دے رہے ہیں۔

امام عبدالباقی زرقانی علیہ الرحمۃ شرح مواہب میں لکھتے ہیں۔

(ورؤیا امی التی رأت) (اور میں اپنی ماں کا وہ رؤیا (مشاہدہ) ہوں جسے اس نے) رؤیۃ عین بصریۃ اپنے سر کی آنکھوں سے یعنی بیداری میں (دیکھا) (شرح زرقانی علی المواہب ج ۱ ص۱۱۶/۱۱۷)

امام عبدالباقی علیہ الرحمۃ نے یہ بھی لکھا ہے کہ "جنہوں نے اسے خواب قرار دیا ہے وہ غلطی پر ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ یہ خواب نہ تھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے وہ نور جس سے ان کے لیے شام کے محلّات روشن ہو گئے۔ بیداری میں ہی دیکھا جب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جنم دیا۔ پھر یہ بھی لکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی والدہ ماجدہ نے ایک نور اُس وقت دیکھا۔ جب حضور پُرنور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے والد ماجد کی پشت سے والدہ ماجدہ کے بطنِ اقدس میں منتقل ہوئے یعنی ابتداء حمل کے دنوں میں۔ یہ رؤیا بیداری میں نہ تھا۔ بلکہ خواب میں تھا اور دوسری

بار وضع حمل، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت دیکھا۔ یہ " رؤیا " عینیہ بصریہ تھا۔ یعنی بیداری کی حالت میں تھا۔ پھر فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے خلط ملط کر دیا ہے۔ کسی نے دونوں کو خواب بنا دیا (جیسے پروفیسر طاہر القادری نے کیا) اور بعض نے دونوں کو بیداری کی حالت پر محمول کیا۔ یہ دونوں ہی غلط ہیں اور صحیح یہ ہے کہ ابتداء حمل کے دنوں میں خواب تھا اور وضع حمل اور ولادت شریفہ کے وقت جو نور دیکھا وہ بیداری میں دیکھا تھا۔" (شرح مواہب زرقانی ج ۱ ص ۱۱۷)

پروفیسر طاہر القادری نے اس حدیث میں چار غلطیاں کی ہیں

۱۔ نمبر ایک یہ کہ اسے خواب بنا دیا حالانکہ یہ مشاہدہ بیداری کی حالت میں ہوا۔

۲۔ نمبر دو یہ کہ یہ ترجمہ سراسر غلط کیا" جو انہوں نے میری ولادت سے پہلے دیکھا" پروفیسر صاحب نے جو حدیث لکھی ہے اس میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس کا معنی " ولادت سے پہلے دیکھا" کا بنتا ہو۔ یہ پروفیسر صاحب کی حدیث میں دوسری تحریف اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر کھلا افتراء و بہتان ہے (معاذ اللہ) تعجب ہے کہ جناب میں حدیث سمجھنے کی اہلیت ہے اور نہ ہی سمجھ، پھر بھی دعویٰ فرما رہے ہے کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی کہ میں دین و سنت و امت کے بیڑے کا واحد ناخدا تمہیں بناتا ہوں۔ " **سُبحانک ھذا بہتانٌ عظیم**۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے پاک ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی کشتی کا ناخدا ایک ایسے شخص کو بنائیں اور امت کی کشتی ایسے شخص کے حوالے فرمائیں۔ جو اس قدر نااہل ہو کہ کشتی کو ڈبونے کے سوا کچھ جانتا بھی نہ ہو۔ قارئین! انصاف، انصاف، انصاف جو شخص قرآن و حدیث کے بیان کرنے میں اس قدر بہ کثرت ٹھوکریں کھاتے جا رہا ہو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے دین کی امداد، سنت کی اعانت اور امت کی راہنمائی کا کام سونپ سکتے ہیں؟۔

نمبر۳:۔ یہ کہ حدیث کے ترجمہ میں لفظ "اور" کا اپنی طرف سے بے جا اضافہ کر کے ایک ہی واقعہ کو دو واقعے بنا ڈالا۔ حالانکہ یہ ایک ہی واقعہ ہے۔ لیجئے راقم اس کا صحیح ترجمہ عرض کرتا ہے جس سے قارئین خود ہی سمجھ لیں گے کہ یہ ایک واقعہ ہے یا دو واقعے ہیں۔

(ترجمہ) "اور (میں) اپنی ماں کا وہ دکھاوا ہوں جو اس نے مجھے جنم دیتے وقت دیکھا، کہ اس کے لئے ایک نور ظاہر ہوا جس کے سبب سے اس کے لئے شام کے محلات روشن ہو گئے"۔

لیکن پروفیسر صاحب کے فہم و ادراک کا کیا کہنا، کہ غلط ترجمہ اور مفہوم حدیث میں اپنی طرف سے تصرف کر کے اسے کچھ سے کچھ بنا ڈالا۔

نمبر۴:۔ اس حدیث کے معنی میں تحریف نمبر چار یہ فرمائی کہ حدیث میں واقع لفظ "لھا"، کا ترجمہ" اس کے لئے " چھوڑ دیا اور یہ ترجمہ کیا۔

" ان سے ایک نور نکلا جس کے سبب شام کے محلات روشن ہو گئے"۔

اس سے واضح نہیں ہوتا کہ کس کے لئے روشن ہو گئے؟ شام والوں کے لئے، یا مکہ والوں کے لئے یا کسی اور کے لئے موصوف نے لفظ "لھا" کا معنی ترک کر کے حدیث کے معنی میں ابہام پیدا کر دیا۔ حالانکہ حدیث میں لفظ "لھا" موجود ہے اور اس میں ھا ضمیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اس کے مطابق ترجمہ یوں ہوگا۔

" ان (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ) سے ایک نور نکلا جس سے ان کے لئے شام کے محلات روشن ہو گئے"۔

حدیث کے ایک ماہر کا کام حدیث میں واقع ابہام کو دور کرنا ہوتا ہے لیکن دورِ جدید کے شارح اور محدث حدیثوں سے الفاظ حذف کر کے ان کے معانی میں

خود ہی ابہام پیدا کئے جا رہے ہیں۔ جب کہ پہلے زمانوں کے مجتہدین اپنے اجتہاد کے ذریعے مبہم معنوں کو واضح کرتے تھے لیکن آج کے دور کے مدعیؔ اجتہاد اور جمعراتی جگادرو، ان کے برعکس اپنے جاہلانہ اجتہاد کے بذریعے حدیثوں کے واضح معنوں میں ابہام پیدا کئے جا رہے ہیں۔

لیکچرار کے منصب سے چھلانگ لگا کر پروفیسر کہلانے والے جناب طاہر صاحب جیسے پروفیسر شاید شاعر شہید اکبرالہ آبادی مرحوم کے زمانہ میں بھی ہوں گے جن کے بارے میں وہ فرماتے ہیں ؎

فریب دے کر نکالے مطلب سکھائے تحقیر دین و مذہب
مٹا دے آخر کو وضع ملت نمود ذاتی کو گر بڑھا دے
یہی بس اکبؔر کی التجا ہے جناب باری میں یہ دُعا ہے
علوم و حکمت کا درس ان کو پروفیسر دیں سمجھ خُدا دے

تحریفِ حدیثِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نمبر ۴۔

پروفیسر طاہر القادری صاحب نے قرآن و حدیث اور بزرگانِ دین کے الفاظ و عبارات اور ان کے معنی کی تحریف کا جو سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ اس کی تحریفِ حدیثِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے کی یہ چوتھی کڑی ہے۔ موصوف اپنی اسی کتاب "سورۃ فاتحہ اور تعمیرِ شخصیت" کے صفحہ نمبر ۶۰ اور ۶۱ پر ایک حدیث لکھتے ہیں اور ساتھ ہی ترجمہ فرماتے ہیں۔ ہم اسے نقل کرنے کے بعد اس سے متعلقہ تحریفات کی نشاندہی کریں گے۔

ان اللہ تعالیٰ لما خلق نور نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم امرہ ان ینظر الی انوار الانبیاء علیہم السلام فغشیھم من نورہ ما انطقھم بہ، فقالوا یاربنا من غشینا نورہ؟ فقال اللہ ھذا نور محمد بن عبداللہ ان آمنتم بہ جعلتکم انبیاء قالوا آمنا بہ وبنبوتہ فقال اللہ تعالےٰ اشھد علیکم قالوا نعم فذلک قولہ تعالیٰ واذا اخذ اللہ میثاق النبیین۔	جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور تخلیق فرمایا تو بعد میں (کسی وقت)، اسے حکم دیا کہ انوارِ انبیاءؑ (یعنی ارواح الانبیاءؑ) کی طرف متوجہ ہو پس اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی ارواح کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے ڈھانپ لیا انہوں نے عرض کیا اے ہمارے رب ہمیں کس کے نور نے ڈھانپ لیا ہے پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں خود تمہارے نبوتِ محمدی پر ایمان لانے پر گواہ ہو جاتا ہوں تو انہوں نے کہا ٹھیک ہے لہٰذا اس امر کی طرف قرآنِ حکیم کے اس ارشاد میں اشارہ ہے وہ اور جب اللہ تعالےٰ نے انبیاء سے یہ وعدہ لیا۔ الخ

ـــــ وانا معکم من الشاھدین۔

(المواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۸)

پروفیسر طاہر القادری صاحب نے اس ایک حدیث میں لفظی اور معنوی، کئی ایک تحریفیں کی ہیں۔

الفاظِ حدیث میں تحریفیں۔

۱۔ پہلی یہ کہ موصوف نے اس حدیث کو مواہب لدنیہ کی پہلی جلد کے صفحہ ۸ سے نقل کیا ہے لیکن مذکورہ حدیث شریف کے نقل کرنے میں موصوف نے جس لاابالی، بے نیازی اور بے پروائی کا مظاہرہ کیا۔ کسی بھی عالم دین سے اس قسم کی لااُبالی اور بے پروائی ممکن نہیں۔ البتہ حدیث کی اہمیت اور اس کی عظمت سے بے خبر لوگ ہی ایسا کر سکتے ہیں۔ پروفیسر صاحب نے حدیث کو نقل کرتے ہوئے دو اہم الفاظ چھوڑ دیئے۔ اوپر خط کشیدہ عبارت نمبر ا کو ملاحظہ فرمائیں۔ موصوف نے اس میں سے "اللّٰہ" کا اسم گرامی چھوڑ دیا۔ جو انطق" فعل کا فاعل ہے۔ اس کے چھوڑ دینے سے انطق فعل کا فاعل ھُوَ ضمیر قرار پاتی ہے جو "ما" موصولہ کی طرف راجع ہو گی۔ اس ترکیب سے حدیث کے معنی ہی بدل جاتے ہیں جب کہ صحیح عبارت یوں ہے "ما انطقھم اللّٰہ بہ" اور اس صورت میں معنی درست قرار پاتے ہیں لیکن جیسے پروفیسر صاحب نے اسمِ جلالت یعنی لفظ "اللّٰہ" کو چھوڑ دیا ہے۔ اس سے حدیث کے بگڑ جاتے ہیں

۲۔ دوسری غلطی یہ فرمائی کہ لفظ "اشھد" سے پہلے ہمزہ استفہام کو چھوڑ گئے جب کہ متن میں موجود ہے اور اس کے چھوٹ جانے سے حدیث کے معنی کچھ سے کچھ ہو گئے۔ اس کی اصل عبارت یوں ہے " أأشھد " دو ہمزوں ہمزۂ استفہام و ہمزۂ متکلّم کے ساتھ جن میں سے ایک ہمزہ کو موصوف نے اڑا دیا۔ اس کے اڑانے

سے عبارت بدل گئی اور اس کا معنی بھی برعکس ہو گیا۔ یعنی ہمزۂ استفہام موجود ہو تو یہ کلام انشائی ہو گئی اور ہمزہ کو اڑا دینے سے یہ کلام خبری ہو گئی۔ لیکن پروفیسر صاحب کو اس سے کیا غرض؟ حدیثِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہو یا قرآن کوئی کلام خبری بنے یا انشائی ٹھہرے۔ پروفیسر صاحب کی واہ واہ ہونی چاہیئے۔ کہ آپ اس قدر کتابوں کے مصنف ہیں۔ یہی چرچا ہونا چاہیئے۔ ؎

عقبیٰ کی باز پرس کا جاتا رہا خیال
دنیا کی لذتوں میں طبیعت بہل گئی

معانی حدیث میں تحریفیں۔

پروفیسر صاحب نے حدیث مذکور کے معنوں میں جو تحریفیں اور ہیرا پھیری کی ہے وہ بھی قابلِ دید ہے ملاحظہ ہو۔

۱۔ پروفیسر صاحب نے حدیث کے ترجمہ میں " بعد میں کسی وقت " کے الفاظ کا جو اضافہ فرمایا ہے یہ حدیث کی معنوی تحریف ہے۔ اس کا الفاظِ حدیث سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی اس کا یہ کوئی تشریحی مفہوم ہے۔

۲۔ پھر جناب نے حدیث مذکورہ کا ترجمہ کرتے وقت " انوارِ انبیاء " سے مراد ، دو بریکٹوں کے درمیان " ارواحِ انبیاء " بتا کر ، نورانیت انبیاء علیہم السلام کے منکروں کی ترجمانی کر ڈالی۔ کیونکہ وہی لوگ ہی " اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ " کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا ، ایسی حدیثوں میں واقع لفظِ نور سے رُوح ، مراد لیتے ہیں۔ لہٰذا پروفیسر صاحب نے " انوارِ انبیاء " سے " ارواحِ انبیاء " مراد لے کر مسلکِ اہلِ سنت کو نقصان اور مخالفین مسلکِ اہلسنت کو فائدہ پہنچایا اور ساتھ ہی حدیثِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں معنوی تحریف کے بھی مرتکب ہوئے۔

جب کہ صحیح یہ ہے کہ " انوارِ انبیاء " سے مُراد اُن کے انوار ہی ہیں۔ ارواح نہیں

۳۔ اس حدیث میں پروفیسر صاحب نے تیسری بار معنوی تحریف یہ فرمائی کہ حدیث کے درج ذیل الفاظ "فغشیھم من نورہ ما انطقھم اللہ بہ" کا ترجمہ غلط کر ڈالا۔ یعنی اس کا ترجمہ اس طرح کیا۔

"پس اللہ نے انبیاء کی ارواح کو حضور علیہ السلام کے نور سے ڈھانپ لیا۔" (صفحہ ۱۶)

لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ کوئی ایسا شخص جس نے عربی گرامر پڑھی ہو اور اسے سمجھا ہو وہ ایسا غلط ترجمہ ہرگز نہیں کر سکتا۔ یہ تحریفِ حدیث کی بدترین مثال ہے ایک تو "انوارِ انبیاء" کا ترجمہ "ارواحِ انبیاء" کیا اور دوسری فحش غلطی یہ فرمائی کہ "فغشیھم" میں جو "غشی" فعل ہے جس کے معنے ڈھانپنے کے ہیں۔ اس کا فاعل، اللہ تعالیٰ، کو قرار دے کر ڈھانپنے کی نسبت اس کی طرح کر دی۔

؏ الٰہی کیوں نہیں اٹھتی قیامت، ماجرا کیا ہے؟

حالانکہ "غَشِیَ" فعل کا فاعل "ما انطقھم" میں واقع "ما" موصولہ ہے جو "اَلَّذِیْ" کے معنی میں ہے۔ ملاحظہ ہو علامہ امام زرقانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ

(فغشیھم من نورہ ما) ای الذی انطقھم اللہ بہ الخ (شرح مواہب ج ۱ ص ۴۸)

پس انوارِ انبیاء کو ڈھانپ لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور میں سے اس عظیم نور نے جس کے سبب خدا تعالیٰ نے ان کو بلوایا۔

پروفیسر صاحب نے حدیث مذکور کا غلط ترجمہ کر کے اس عظیم الشان مفہوم کو جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ مقدس کی عظمت اجاگر ہوتی تھی، بگاڑ کر رکھ دیا اور اس بات پر غور نہ کیا کہ اگر انوارِ انبیاء سے مراد ارواحِ انبیاء ہوتیں تو ان کے لئے "اَنْطَقَھُمْ

اللّٰہ بہ" فرمانے کی حاجت نہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی برکت سے انہیں بولنے کی قوت دی یا بلوایا۔ کیونکہ روحیں تو ویسے ہی بولنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ بلکہ اصل میں روحیں ہی بولتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ انوار ہی تھے جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نور کی برکت سے جو ان پر چھا گیا اور غالب آ گیا تھا اللہ نے بولنے کی قوت بخشی اور انہوں نے عرض کی۔ چنانچہ اس کا صحیح مفہوم ہم عرض کرتے ہیں۔

حدیث کا مفہوم صحیح

اس حدیث کا صحیح مفہوم یوں ہے کہ :۔

"جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نور مبارک کی تخلیق کو کمالاتِ نبوت کا فیضان فرما کر کامل کر دیا تو اسے حکم دیا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے انوار کی طرف نظر کرے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عظیم و کامل نور نے انبیاء کے انوار کو ڈھانپ لیا۔ جس کے سبب انہیں اللہ تعالیٰ نے بُلوایا اور انہوں نے عرض کی کہ یا اللہ! کس کے نور نے ہمیں ڈھانپ لیا ؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ محمد بن عبداللہ کا نور ہے۔ اگر تم ان پر اور ان کی نبوت پر ایمان لے آؤ تو میں تمہیں نبی بناؤں گا۔ انہوں نے عرض کی کہ ہم ان پر اور ان کی نبوت پر ایمان لے آئے۔ (تا آخر) (زرقانی شرح مواہب ج ۱ ص ۴۴)

ترکیبِ نحوی کی رو سے " من نورہ " میں بیانیہ ہے اور " ما انطقهم " میں واقع " ما " موصولہ کا بیان مقدم ہے اور " ما " موصولہ اگرچہ مبہم ہے تاہم وہ کبھی اپنے معہود کی عظمتِ شان اور کمالِ شان پر بھی دلالت کرتا ہے۔ چنانچہ قرآنِ کریم میں ہے

"اِذْ یَغْشَی السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰی" (سورۃ النجم آیت ۱۶) (ترجمہ) جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا۔

اس آیت کریمہ کی حدیث مذکور کے ساتھ مطابقت ترکیبیہ بھی ملاحظہ فرمائیے۔
حدیثِ مذکور میں "غَشِيَ" فعل ماضی ہے اور اس آیتِ کریمہ میں "غَشِيَ" کا فعل مضارع "یَغْشٰی" پر داخل "ما" موصولہ مبہم ہے۔ جیسے آیت کریمہ میں "ما" موصولہ مبہم کا ابہام اپنے معہود کی تعظیم و تکریم اور اس کی عظمت و کمال پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ اہلِ عرب، کمالِ عظمت کے اظہار کے موقع پر ایسا ہی ابہام و اجمال کا صیغہ لاتے ہیں چنانچہ تفسیر کشاف میں ہے کہ

(مَا يَغْشٰى) تعظيم و تكثير لما يغشى فقد علم بهذه العبارة ان ما يغشاها من الخلائق الدالة على عظمة الله وجلاله اشياء لا يتكنهها النعت ولا يحيط بها الوصف
(تفسير الكشاف ج ۴ ص ۲۹)

(مَا يَغْشٰى) میں اس چیز کی عظمت و کثرت کا اظہار ہے جس نے سدرہ کو ڈھانپ رکھا تھا، اس عبارت سے (جس میں مائے مبہم لایا گیا ہے) معلوم ہوا کہ اللہ کی عظمت اور اس کی بزرگی پر دلالت کرنے والی جس مخلوق نے سدرہ کو ڈھانپ رکھا تھا وہ ایسی عظمت والی چیزیں تھیں جن کی حقیقت کا احاطہ کوئی تعریف و توصیف نہیں کر سکتی۔

اسی طرح تفسیر روح المعانی میں ہے کہ

وفي ابهام (ما يغشى) من التفخيم ما لا يخفى فكان الغاشي امر لا يحيط به نطاق البيان ولا تسعه اردان الاذهان (روح المعاني ج ۲۷ ص ۵۱)

(ما یغشی) کے ابہام میں وہ تعظیم پائی جاتی ہے جو کسی اہلِ علم پر مخفی نہیں ہے گویا سدرہ کو ڈھانپنے والی وہ عظیم الشان چیز تھی کہ بیان کی وسعت اس کا احاطہ نہیں کر سکتی اور نہ ہی ذہنوں کی کشادہ آستینیں

اسے اپنے اندر سمو سکتی ہیں۔

قارئین! امید ہے کہ آپ نے صحیح صورت حال کا جائزہ لے لیا ہوگا اور جناب علامہ ڈاکٹر پروفیسر محمد طاہر القادری کی حدیث فہمی بھی ملاحظہ فرمالی ہوگی۔ جن کا دعویٰ ہے کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی خدمت کا کام سونپا ہے۔ "سبحانك هذا بهتان عظيم" یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کھلا بہتان ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پاک ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے شخص کو دین کی خدمت، قرآن وسنت کے علوم واحکام کی تبلیغ کی ذمہ داری سونپیں۔ جس کی علمیت کا یہ عالم ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ کتاب اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو خود سمجھنے سے قاصر ہے۔ دوسروں کو کیا سمجھائے گا۔ جو حدیث شریف میں واقع "فغشیهم" کی ترکیب نحوی نہیں سمجھ سکا اور جو "ما انطقهم" کی ایمان افروز عبارت کا مطلب و مفہوم نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے اسے گول کر گیا۔ نہ اس کا ترجمہ کیا اور نہ ہی اس کا کوئی مفہوم بیان کیا۔ حالانکہ ایک معمولی سی سمجھ رکھنے والے طالب علم سے بھی ایسی توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ اس طرح سے ترجمہ ومفہوم بیان کر کے حدیث کا مذاق اڑائے گا۔ یہ سلسلۂ تحریفات یہاں ختم نہیں ہو جاتا۔ آگے چلئے اس سلسلے کی اور کڑیاں بھی ملاحظہ فرمائیے۔

؎ ابھی کچھ اور ہٹے گی نقابِ رُخ ان کی!
ابھی یہ کچھ نگاہوں کے امتحاں ہوں گے

چنانچہ طاہر القادری صاحب نے حدیث مذکور کے اس خاص حصہ کا (جو نہایت ہی ایمان افروز واقع ہوا اور شانِ نورِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجاگر کر رہا ہے) کا جو مضحکہ خیز اور جاہلانہ ترجمہ کیا وہ بھی مدنظر رکھئے۔ وہ لکھتے ہیں

"پس اللہ تعالےٰ نے انبیا کی ارواح کو حضور کے نور سے ڈھانپ لیا"

لاحول ولاقوة الا بالله۔ طاہر القادری صاحب کی حدیث کے معنوں

ہیں تحریف کی اس جسارت کی جس قدر بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ موصوف کا بیان کردہ ترجمہ غلط، بے ہودہ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر افتراء و بہتان ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے۔

"مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (مشکوٰۃ) (ترجمہ) کہ جس نے میری طرف جھوٹی بات منسوب کی وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنائے۔

جب کہ تفسیر کشاف، مدارک اور روح المعانی میں۔ ارشاد باری تعالیٰ " اذ یغشی السدرۃ ما یغشی" کے تحت لفظ "ما" موصولہ مبہمہ سے متعلقہ جو نکتہ ابہام بیان کیا گیا اس کی روشنی میں اس حدیث کا مفہوم یوں ہے۔

" پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ نورِ مبارک، جس کی حقیقت و عظمت کا احاطہ نہ کوئی تعریف و توصیف کر سکتی ہے، نہ کسی کی وسعت بیان اسے اپنے دامن میں لا سکتی ہے اور نہ ہی اذہانِ خلق کی کشادہ آستینیں اسے اپنے اندر سمو سکتی ہیں، تمام انبیاء کے انوار پر غالب آگیا" جس کے سبب اللہ نے انہیں قوتِ گویائی بخشی اور وہ بولے (تا آخر)"۔

طاہر القادری صاحب نے اپنی کم علمی کی وجہ سے "غشی" فعل کا فاعل، اللہ تعالیٰ کو قرار دیا، کاش کہ وہ سورۃ النجم کی مذکورہ بالا آیت پر ہی غور کر لیتے تو حدیث کی معنوی تحریف کا وبال سر پر لینے سے محفوظ رہتے۔ لیکن انہیں تو مفسرِ قرآن کے مدعی ہونے کے باوجود قرآن تک صحیح پڑھنا نہیں آتا۔ ان کی قرآن خوانی کا عالم اس وقت سب حاضرین نے دیکھ لیا تھا۔ جب کہ دیال سنگھ لائبریری میں پندرہ اکتوبر ۱۹۸۲ء کو دیت کے موضوع پر منعقد کیے گئے مذاکرہ میں پروفیسر صاحب نے یہ آیت پڑھی تھی۔

" مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى الخ"

تو لفظ "اُنْثٰی" کو الف مقصورہ کے ساتھ پڑھنے کی بجائے "اُنْثًی" تنوین کے ساتھ بار بار غلط پڑھا، اور مغالطہ کی وجہ یہ تھی کہ موصوف اس آیت کو جس تفسیر قرآن میں سے دیکھ کر پڑھ رہے تھے۔ اس میں عبارت کے اُوپر حرکات (زیر زبر اور پیش لگی ہوئی) نہ تھیں۔ آخر حاضرین میں سے علماء کرام و حفاظ نے موصوف کو لقمہ دیا کہ اسے "اُنْثًی" تنوین کے ساتھ نہ پڑھیئے بلکہ الف مقصورہ کے ساتھ یعنی "اُنْثٰی" پڑھیے تب جناب نے اسے درست کر کے پڑھا اور یہ بات دیال سنگھ لائبریری کے ریکارڈ میں موجود ہے۔ نیز خود اسی حدیث میں آگے چل کر اس کا ثبوت موجود ہے کہ "غَشِیَ" فعل کا فاعل، اللہ تعالیٰ نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا "نورِ مبارک" ہے۔ چنانچہ اس کے بعد، حدیث کے الفاظ یوں ہیں۔

وقالوا ربنا، من غشينا نورہ؟ فقال الله تعالىٰ هذا نور محمد بن عبد الله (تا آخر)

(مواہب لدنیہ ج ۱ ص ۹)

اور انہوں نے عرض کی، اے ہمارے رب کس کا نور ہم پر چھا گیا یا کس کے نور نے ہمیں ڈھانپ لیا اور ماند کر دیا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ محمد بن عبد اللہ کا نور ہے۔

حدیث کے ان الفاظ پر غور فرمایئے کہ ڈھانپنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی طرف، ہمیں طاہر القادری صاحب کی ناقص علمی اور کم علمی پر از حد تعجب ہے کہ الفاظ حدیث کی اس قدر وضاحت کے باوجود وہ اس کی ترکیبِ نحوی نہ سمجھ سکے۔ لیکن یہ جب ممکن تھا کہ موصوف نے باقاعدہ درسِ نظامی پڑھا ہوتا، سمجھا ہوتا اور جس نے اپنے علم و عرفان کے دعویٰ کی بنیاد ہی محض تصنّع پر رکھی ہو وہ علمی میدان میں ایسی ٹھوکریں ہی کھائے گا۔ قرآن و حدیث اور فقہ کا صحیح ادراک و فہم محض ایل ایل بی اور دیگر رسمی ڈگریوں سے حاصل نہیں ہوا کرتا۔

؎ کھیل بچوں کا ہُوا دیدۂ بینا نہ ہُوا

۴۔ اسی حدیث میں پروفیسر طاہر القادری نے معنوی طور پر چوتھی تحریف یہ کی ہے کہ حدیثِ مبارک کے الفاظ

" اشهد عليكم "

کا ترجمہ "میں خود تمہارے نبوت محمدی پر ایمان لانے پر گواہ ہو جاتا ہوں"۔ غلط کیا ہے۔

کیونکہ مواہب لدنیہ کی عبارت " أأشهدُ عليكم " میں دو ۲ ہمزے موجود ہیں ایک متکلم کا اور دوسرا ہمزہ استفہام کا ہے جس کے معنی یہ ہیں۔

" کیا میں تم پر گواہ ہو جاؤں ؟ انہوں نے عرض کی ہاں الخ "

اور یاد رہے کہ مواہب لدنیہ کا جو نسخہ ہمارے سامنے ہے۔ اس میں ہمزۂ استفہام عبارت میں موجود ہے اور بعض نسخوں میں ہمزۂ استفہام عبارت میں موجود نہیں بلکہ محذوف ہے۔ مگر ترجمہ میں اس کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

چنانچہ شرح مواہب میں ہے۔

" أ (أشهد عليكم) بحذف همزة الاستفهام المقدرة "

یعنی أأشهد ہمزۂ مقدرہ کے حذف کے ساتھ۔

(شرح مواہب ج ۱ ص ۴)

لیکن طاہر القادری صاحب نے مواہب لدنیہ کے جس نسخہ سے عبارت نقل کی ہے اس میں ہمزۂ استفہام موجود ہے، کیونکہ انہوں نے صفحہ نمبر ۸ کا حوالہ لکھا ہے اور میرے پاس بھی وہ عبارت اسی صفحہ نمبر ۸ پر موجود ہے۔ لہٰذا نسخہ ایک ہی ہے لیکن پروفیسر صاحب اپنی نا اہلی کی وجہ سے کتاب سے استفادہ کرنے سے قاصر ہے

اور عبارت کا ترجمہ و مفہوم کچھ سے کچھ کر ڈالا۔ اگر آج کوئی غیر مسلم قرآن و حدیث کے اس طرح سے غلط ترجمے کرتا تو اس کے خلاف مسلمانوں کی طرف سے ضرور صدائے احتجاج بلند ہوئی ہوتی لیکن اب اس لئے سب خاموش ہیں کہ یہ کام غیر مسلم کی بجائے ایک ایسا شخص انجام دے رہا ہے جو عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درس اور شب بیداریوں کے نام پر سادہ لوح عوام کو اعتماد میں لئے ہوئے ہے۔

چمن کی یہ کیسی ہوا ہو گئی!
کہ صرصر سے بدتر صبا ہو گئی

تحریفِ حدیث نمبر ۵

پروفیسر طاہر القادری صاحب نے قرآنِ کریم کے ساتھ ساتھ حدیثِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی معنوی تحریف کا جو سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ اس کی ایک اور کڑی ملاحظہ ہو۔ موصوف اپنی اسی کتاب "فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے" کے صفحہ ۲۱۴ پر درج ذیل حدیث اور ساتھ ہی اس کا ترجمہ لکھتے ہیں

مثل المؤمنين في	(ترجمہ) مسلمانوں کی باہمی محبت اور
توادهم وتراحمهم و	رحمت و مودت کی مثال ایسی ہے جیسے
تعاطفهم مثل الجسد اذا	ایک ہی جسم ہو۔ جس میں ایک عضو کو
اشتكى منه عضو تداعى له	تکلیف پہنچے تو سارا جسم بے خواب و
سائر الجسد بالسهر والحمى۔	بے آرام ہو جاتا ہے۔

جناب علامہ ڈاکٹر و پروفیسر طاہر القادری صاحب نے اس حدیث میں چار غلطیاں فرمائی ہیں۔

۱۔ "المؤمنین" کا معنیٰ "مسلمانوں" کیا جب کہ اس کا صحیح معنیٰ "سارے مسلمانوں" ہے۔ کیونکہ یہ جمع مذکر سالم ہے "جیسے" رَبُّ الْعَالَمِیْن "کے معنیٰ" سارے جہان" یا "سارے جہان والوں کے پروردگار" کے کرتے ہیں۔ رب کے معنیٰ پروردگار یا مالک اور "العالمین" کے معنیٰ "سارے جہان والوں یا سارے جہانوں" کا کرتے ہیں۔ یونہی "مثل المؤمنین" میں بھی "سارے مسلمانوں" کا ترجمہ کرنا ہو گا، صرف "مسلمانوں" کا ترجمہ غلط ہے۔

۲۔ موصوف نے دوسری غلطی یہ فرمائی کہ حدیث میں تو سارے مسلمانوں کی تمثیل بیان فرمائی گئی ہے اور یوں فرمایا گیا ہے کہ باہمی محبت و رحمت اور باہمی عطوفت میں سارے مسلمانوں کی مثال ایک جسم کی سی ہے۔ لیکن پروفیسر صاحب منشاءِ مصطفیٰ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کے برعکس تمثیل کو محبت ومودت سے متعلق فرما رہے ہیں۔ حدیث مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں "المؤمنین" ممثَّل یا ممثل لھم" ہیں (جن کی مثال بیان فرمائی گئی اوران کی باہمی محبت ورحمت اورعطوفت، ممثّل فیھا، ہے۔ (جس کے بارے میں مثال بیان فرمائی گئی) اور "الجسد" ممثل بہ (جس کے ساتھ مثال دی گئی) ہے یہ تینوں چیزیں الگ الگ ہیں۔ جن کا وجود ہر تمثیل میں پایا جاتا ہے۔ پروفیسر صاحب کی نادانی کا یہ حال ہے کہ انہوں نے ترجمہ حدیث مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں " ممثل فیھا"، کو ہی "ممثل" یا "ممثل لہٗ" بنا دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

قارئین! کچھ سوچئے تو سہی کہ پروفیسر صاحب کا دعویٰ کس قدر بڑا ہے کہ "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو قرآن وسنت، دینِ اسلام کی خدمت وترقی کی ذمہ داری سونپی ہے۔" (بحوالہ قومی ڈائجسٹ) لیکن علمی پسماندگی اور غربت کا یہ حال ہے کہ اسی سرکارابد قرار روحی فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مقدس کا ترجمہ کرنے لگتے ہیں توکچھ سے کچھ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منشأ عالی کے بھی برعکس کر جاتے ہیں کاش کہ طاہرالقادری صاحب اپنی علمی کم مائیگی اور بے بضاعتی کا احساس کرتے ہوئے اس قسم کے مصنوعی دعووں سے باز آتے بلکہ اپنی غلط بیانیوں سے علانیہ رجوع الی اللہ کرتے ؂

دیکھو تو ذرا یہ حالتِ زار
کیوں زعمِ خویش میں ہو گرفتار

۳۔ موصوف نے اس حدیث کے ترجمہ میں تیسری غلطی یہ فرمائی کہ "تواد" کے معنی باہمی محبت اور "تراحم" کے رحمت اور "تعاطف" کے معنی پھر "مودت" کر ڈالے۔ حدیث کے الفاظ درج ذیل ملاحظہ فرمائیے۔

	الفاظ	پروفیسر صاحب کے معانی	صحیح معانی
۱۔	فی توَادِّھم	باہمی محبت	باہمی مودّت (محبت) کرنے میں
۲۔	تراحمھم	رحمت	باہمی رحمت (مہربانی) کرنے میں
۳۔	تعاطفھم	مودت	باہمی احسان کرنے میں۔

پروفیسر صاحب "تواد" جو پہلا لفظ تھا جس کے معنی "باہمی محبت کرنے" کے ہیں لیکن موصوف نے اس کا ترجمہ لفظ محبت سے کر ڈالا۔ جس کے معنی پہلے محبت کے کئے تھے۔ یہ ہے اس شخص کی حدیث دانی کا حال جو اپنی علمی واجتہادی اور بشارتی مصنوعی دعوؤں کے ذریعے سادہ لوح قوم سے لاکھوں روپے وصول فرما رہے ہیں اور قوم کو صحیح علم دینے کی بجائے غلط فہمیاں عطا کئے جا رہے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ اس کے ساتھ ساتھ دعویٰ ہے غلبۂ اسلام کا۔ جب کہ "تعاطفھم" یعنی حدیث کے لفظ نمبر ۳ کے معنی، مودّت کے نہیں، "خوش خلقی کے ساتھ باہمی فضل واحسان" سے پیش آنے کے ہیں۔ ملاحظہ ہو امام ابوالفضل مصری، لسان العرب میں لکھتے ہیں

رجل عاطف وعطوف: عائد بفضله حسن الخلق قال الليث: العطاف الرجل الحسن الخلق العطوف على الناس بفضله (الى ان قال) وتعاطفوا اى عطف بعضهم على بعض۔

(لسان العرب ج ۹ ص ۲۴۹)

رجلِ عاطف اور عطوف، اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو خوش خلق ہو احسان کے ساتھ "عود" کرنے والا ہو۔ یعنی بار بار احسان کرنے والا۔ امام لیث نے کہا، عطّاف، وہ شخص جو خوش خلق ہو لوگوں پر بہت احسان کرنے والا ہو (آگے چل کر فرماتے ہیں)، تَعَاطَفُوْا (یا تعاطف) کے معنی ہیں لوگوں کا ایک دوسرے پر احسان کرنا۔

۴۔ پروفیسر صاحب نے اس حدیث میں چوتھی غلطی یہ فرمائی۔ یا حدیث کے معنی میں تحریف فرمائی کہ حدیث کے لفظ "الحمّٰی" کا معنی "بے آرام" کا کیا۔ حالانکہ عربی زبان پر معمولی سا عبور رکھنے والا بھی ایسا غلط معنی نہیں کرے گا۔ "الحمّٰی" کا معنی "بخار" کا ہے ملاحظہ ہو مصباح اللغات میں ہے۔

"الحمی" بخار (مصباح اللغات صـ۱۵۴ طبع دہلی)

لسان العرب میں ہے۔

"الحمی" علة یستحر بها الجسم۔ (لسان العرب ج ۱۲ صـ۱۵۵)

"حُمّٰی" ایک بیماری ہے جس سے جسم گرم ہو جاتا ہے۔

(لسان العرب ج ۱۲ صـ۱۵۵)

لیجئے۔ عربی میں "حُمّٰی" بخار کو کہتے ہیں مگر حضرت علامہ، ڈاکٹر، پروفیسر طاہر القادری صاحب مع القابہ، اس کے معنی "بے آرام" کے فرما رہے ہیں۔ بے آرامی اور بخار میں جو فرق ہے۔ اسے واضح کرنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ بخار کو بے آرامی تو لازم ہے مگر بے آرامی کو بخار لازم نہیں۔ کیونکہ بے آرامی کے اسباب کئی ایک اور بھی ہو سکتے ہیں۔

تحریف حدیث نمبر ۶

پروفیسر صاحب قرآنِ پاک کی طرح حدیثِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے معنوں میں بھی غلطیاں کر کے اس کی تحریف کے مرتکب ہوتے ہیں۔ تحریفِ حدیث کے سلسلے کی ایک اور کڑی ملاحظہ فرمائیں۔ موصوف اپنی اسی کتاب کے صفحہ ۱۱۵ پر ایک حدیث اور اس کا ترجمہ لکھتے ہیں۔ ہم اس کا وہ حصّہ نقل کرتے ہیں۔ جس کے معنی میں غلطی کی گئی ہے۔

فان اللہ عزوجل لن یجمع امتی الا علی ھدی

(ترجمہ) کیونکہ اللہ رب العزت میری امت کو سوائے ہدایت کے کسی غلط بات پر جمع نہیں ہونے دے گا۔

پروفیسر صاحب نے یہاں بھی "لَنْ" کا معنی "نہیں" سے کیا ہے جو غلط، عربی گرامر کے خلاف اور منشأ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھی برعکس ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس حقیقت کو "تاکیدی" انداز سے ارشاد فرما رہے ہیں۔ مگر پروفیسر صاحب نے کلامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تاکیدی انداز کو اڑا دیا۔ اور یوں معنی فرمایا کہ "جمع نہیں ہونے دے گا" جب کہ اس کا صحیح ترجمہ یوں ہے "اللہ عزوجل میری امت کو ہرگز جمع نہیں کرے گا مگر ہدایت پر" موصوف نے "ہرگز نہیں" کی بجائے صرف "نہیں" سے ترجمہ کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تاکیدی فرمان کو غیر تاکیدی بنا ڈالا۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مذاق۔

قارئین! یقین فرمایئے کہ طاہر القادری صاحب نے حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی مذاق کیا یا اس کی بُری طرح لفظی اور معنوی تحریف و تبدیل کر ڈالی۔ ملاحظہ ہو اپنی کتاب "اجزائے ایمان" کے صفحہ ۲۰ پر حصہ دوم میں فرماتے ہیں۔

"اور حضرت فاروق اعظم کا یہ قول بھی نقل کیا جاتا ہے

ان اللہ یرفع بھا اقواما ویضع بھا آخرین

کچھ قوموں کو اس کے صدقے رفعت و سربلندی نصیب ہوتی ہے جب کہ کچھ قومیں اس کے اصولوں کو چھوڑنے کی بنا پر ذلیل و خوار ہوتی ہیں۔"

اس میں موصوف نے حدیث کی عبارت بھی غلط لکھی ہے اور اس کا ترجمہ بھی غلط کیا ہے اور اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول قرار دیا حالانکہ ان کا قول نہیں بلکہ یہ حدیثِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

عبارت کی غلطی تو یہ ہے کہ لفظ "بِھَا" دو بار لکھ کر زبردست جہالت کا ثبوت دیا کہ اس میں "ھا" ضمیرِ مؤنث ہے۔ جب کہ "کتاب" عربی زبان میں "مذکر" استعمال ہوتی ہے۔ اگرچہ ہم اردو زبان کے محاورہ میں "کتاب" کو مؤنث کے طور پر استعمال کرتے ہیں موصوف کو بھی شاید اسی سے مغالطہ لگا ہے۔ جب کہ ایسا مغالطہ کسی ایسے شخص کو ہرگز نہیں لگ سکتا جس نے درسِ نظامی اور خصوصاً عربی گرامر پڑھی ہو۔ دیکھیے قرآن میں "کتاب" کے ساتھ اسمِ اشارہ "ذٰلک" "ذٰلک الکتاب" مذکر کا استعمال ہوا ہے۔ مگر موصوف کے حافظہ میں قرآنی مثالیں کہاں ہوں گی۔ ان کے حافظہ میں تو اس بات کی ہوس ہی سمائی ہوئی ہے کہ پوری دنیا میں "منہاج القرآن" کے دفتر کھولے جائیں اور زیادہ سے زیادہ ممبر و رفیق بنا کر زیادہ سے زیادہ دولت جمع کی جائے اور عیش و عشرت کے ساتھ زندگی

بسر کی جاتے، ہمیں کیا، خدا کرے موصوف کی دو دوکان اور ہی زیادہ چمکے۔ ہمیں تو صرف ان سے ہمدردی ہے کہ وہ گمراہی کے راستہ سے باز آجائیں اور اپنی اوقات سے باہر نہ ہوں اور اپنی کم علمی کا احساس کریں اور قرآن وسنت کو اپنی جہالتوں کا تختۂ مشق نہ بنائیں جب کہ حدیث شریف کا صحیح متن اس طرح ہے۔ جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں سند کے ساتھ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

"قال عمر، اما أن نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم قال أن اللہ یرفع بھذا الکتاب اقواما ویضع بہ آخرین

(ترجمہ) حضرت عمر نے فرمایا، خبردار تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بے شک اللہ تعالیٰ اس کتاب (پر عمل کرنے) سے کچھ قوموں کو اونچا کرے گا اور (دوسروں کو اس پر عمل نہ کرنے سے ذلیل وخوار کریگا۔

جس شخص کی حدیث دانی کا یہ عالم ہو وہ یہ دعویٰ کرے کہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دین کی کشتی کا واحد ناخدا بنایا ہے۔ نہایت شرم کی بات ہے

طاہر صاحب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان باندھتے وقت شاید حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ حدیث بھول گئی تھی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے شخص کو جہنمی قرار دیا ہے

ذبح کرنے چلے ہو کچھ تمہیں معلوم ہے
کیا سزا قانون میں ہے قتل کے اقدام کی!

تحریفِ حدیث نمبر ۷

جناب طاہر القادری کے ترجموں کی غلطیاں شمار سے بھی باہر ہیں، کچھ تو قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ مزید مثالیں بھی ملاحظہ فرمائیں۔ موصوف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث وارشاد کے حوالہ سے ایک عبارت مع ترجمہ فرماتے ہیں۔

فکانت ید رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لعثمان خیرا من أیدیھم لأنفسھم

(ترجمہ) یہ بیعت دوسرے لوگوں کے ہاتھوں سے اچھی تھی۔

(اجزائے ایمان حصہ دوم ص ۱۱۱)

جناب اس میں صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غائبانہ بیعت سے متعلق عبارت کا جو ترجمہ فرماتے ہیں اس سے بیعت کی فضیلت ثابت ہوتی ہے جو عبارت مذکورہ کا نہ ترجمہ ہے اور نہ ہی مفہوم، بلکہ اس کا ترجمہ یوں ہے

"پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ مبارک عثمان کے لئے بہتر تھا ان کے ہاتھوں سے اپنے آپ کے لئے۔"

اس میں ہاتھ کی فضیلت تھی لیکن جناب طاہر صاحب نے اسے بیعت کی فضیلت ٹھہرا کر موضوع کو ہی بدل ڈالا۔

ہیں چرخ کی اب نئی ادائیں
چلنے لگیں اب اور ہی ہوائیں

ابوحذیفہ یا حذیفہ؟

جناب طاہر صاحب نے اسی کتاب اجزائے ایمان حصہ دوم کے صفحہ ۲۲۲ پر ایک حدیث بیان کی جسکا ترجمہ ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ لمبا خطبہ دیا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے وقت سے لیکر قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا سب کا ذکر کیا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں" **قال قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقاما، ماترک شیئا یکون فی مقامہ ذلک الی قیام الساعۃ** الخ" اس حدیث شریف کے راوی حضرت حذیفہ ہیں مگر جناب نے حذیفہ کی بجائے "ابوحذیفہ" لکھدیا۔

قارئین غور فرمائیں کہ یہ ایک مشہور حدیث ہے اور اس کے راوی حضرت حذیفہ اس حدیث کے حوالے سے نہایت ہی مشہور نام والے صحابی ہیں بلکہ اس حدیث کو سنی لوگ بکثرت یاد رکھے ہوئے ہیں۔ کیونکہ اس کا تعلق فضائلِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے مگر موصوف کو ان کا صحیح نام تک معلوم نہیں یہ حدیث صحیح بخاری و مسلم کے حوالے سے مشکوٰۃ کی کتاب الفتن کی پہلی حدیث ہے۔ خود دیکھ لیجئے۔ کہ اس کی روایت کرنے والے صحابی کا نام ابوحذیفہ ہے یا حذیفہ؟ یقیناً حُذیفہ ہے اب سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ کیا طالبانِ تحقیق کو غلط معلومات بہم پہنچانے والا اس بات کا اہل ہوسکتا ہے کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دین کی خدمت کی ذمہ داری سونپیں اور اسے حکم دیں کہ "تم ادارہ منہاج القرآن بناؤ میں تمہارے پاس لاہور آؤں گا" ہرگز ہرگز نہیں۔ **سُبحٰنک ھٰذا بُھتانٌ عَظِیم** "یہ حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم پر کھلا بہتان ہے"

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

پر بہتان اور علمِ حدیث سے جہالت۔

راقم نے جناب طاہر کی ایک کیسٹ میں بھری ہوئی تقریر سنی یہ کیسٹ بہت سے حضرات کے پاس موجود ہو گی۔ حوالہ ملاحظہ ہو" درسِ قرآن مؤرخہ ۸۳/۹/۲ ۔ سورۂ بقرہ آیت ۱۵۱ تفسیر "کَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ (عملی وضاحت) قسط نمبر۲" اس میں جناب ایک حدیث بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھر کی چار دیواری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑ میں مقابلہ فرمایا۔

قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ عقل وشعور کی روشنی میں کچھ سوچیں اور غور فرمائیں کہ کیا گھر کی چار دیواری کے اندر دوڑ میں مقابلہ ممکن تھا؟ گھر کی چار دیواری کے اندر دوڑ میں مقابلہ تسلیم کرنے کی صورت میں، گھر کی چار دیواری کس قدر عریض و وسیع ہونی چاہیئے؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی ایک ایکڑوں پر مشتمل کوٹھی اور بنگلے میں رہتے تھے کہ اس کا صحن اس قدر وسیع ہوتا تھا کہ وہاں دوڑ میں مقابلہ ہوا کرتا تھا؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

ساری دنیا جانتی ہے کہ حبیبِ خدا، شفیعِ روزِ جزا، آقائے دوجہان، سید انس وجان حضرت محمد مصطفےٰ، احمد مجتبیٰ علیہ الصلوٰت والتسلیمات والتحیات والثناء الیٰ یوم الجزاء، ایک تنگ حجرہ میں قیام رکھتے تھے جس کا صحن اس قدر محدود ہوتا کہ چار دیواری پر حاضر ہونے والے کی معمولی سی آواز بھی سماعت شریف کو مضطرب کر ڈالتی تھی جیسا کہ آیت کریمہ " اِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ" (سورۂ حجرات) سے ظاہر ہے وہاں اس قدر وسعت کہاں کہ دوڑ میں مقابلہ کیا جا سکے۔ دراصل مفکرِ اسلام و مفسرِ قرآن و

علامہ وڈاکٹر و پروفیسر کہلانے والے اور ان القاب کے قطعاً نا اہل، جناب طاہر القادری نے کسی سے سُن سنا کر اس حدیث و روایت کو غلط بیان کرکے سامعین کو مغالطہ میں ڈالا۔ یہ دوڑ میں مقابلہ کا معاملہ گھر کی چار دیواری کا ہرگز نہیں یہ تو دوران سفر کا واقعہ ہے۔

ملاحظہ فرمائیں، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ و رضی عنہ اپنی مسند شریف میں اس حدیث کو روایت فرماتے ہیں۔

سیّدہ طیبہ طاہرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

خرجت مع النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فی بعض اسفارہ وانا جاریۃ لم احمل اللحم ولم ابدن فقال للناس تقدموا فتقدموا ثم قال لی تعالی حتی اسابقک فسابقتہ فسبقتہ فسکت عنی حتی اذا حملت اللحم و بدنت فنسیت خرجت معہ فی بعض اسفارہ فقال للناس تقدموا فتقدموا ثم قال تعالی حتی اسابقک فسابقتہ فسبقنی فجعل یضحک وھو یقول ھذہ بتلک۔

(مسند امام احمد ج ۶ صـ۲۶۴)

میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہمراہ کسی سفر میں نکلی اور میں پتلی دُبلی لڑکی تھی تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے لوگوں سے فرمایا۔ آگے چلو، وہ آگے چلے گئے پھر مجھ سے فرمایا۔ آؤ دوڑیں، میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے ساتھ دوڑ لگائی تو میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے آگے نکل گئی۔ پس آپ خاموش رہے مجھ سے کوئی بات نہ فرمائی۔ یہاں تک کہ میں جسیم و موٹی ہو گئی اور اس دوڑ کو بھول گئی (اور) آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ایک سفر کو نکلی۔ تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے لوگوں سے فرمایا۔ آگے چلو تو وہ آگے چلے گئے پھر فرمایا، آؤ دوڑ لگائیں۔ پس میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ دوڑ لگائی تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم)

مجھ سے آگے نکل گئے پس ہنستے اور فرماتے
جاتے یہ اُس کا بدلہ ہو گیا۔

قارئین! آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ واقعہ تھا سفر کا مگر خود ساختہ علامہ نے اسے چار دیواری میں بند کر دیا، اس قدر سوچنے کی توفیق نہ ہوئی کہ بات دوڑ کی ہو رہی ہے۔ دوڑ کی ہی نہیں، دوڑ میں مقابلہ کی، اس کے لئے کس قدر فاصلہ مطلوب ہو گا اور چار دیواری اس کی متحمل کہاں، لیکن یہ علامہ سمجھتے ہیں کہ اس سادہ لوح قوم میں اس قدر سوچنے کا مادہ کہاں، اگر یہ قوم اس قدر فکر و سوچ والی ہوتی تو میری ایکٹنگ اور شور و غل پر مشتمل اور مغز و رُوح سے خالی لفّاظیت پر مبنی تقریر سے کیوں متاثر ہوتی۔ لہٰذا جو جی میں آئے اور جیسے آئے ویسے بیان کر کے اس قوم سے دادِ تحسین حاصل کی جائے۔ راقم جناب طاہر کی خدمت میں اس کے سوا کیا عرض کر سکتا ہے کہ ؎

پاؤں نہ پھیلاؤ اتنا بے خطر اے خود سرو
خوفِ حق کم ہے تو قانونِ فنا ہی سے ڈرو

جناب طاہرالقادری کی کم علمی اور کج فہمی پر جس قدر بھی کہا یا لکھا جائے کم ہے۔ موصوف کی عربی دانی کا یہ حال ہے کہ معمولی سی نوعیت کی اور بالکل آسان فہم کی عربی عبارات تک کا صحیح معنی سمجھنے سے عاری اور قاصر نظر آتے ہیں۔

تقوےٰ کا غلط معنی

جناب طاہرالقادری صاحب نے اپنی کتاب "فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے ؟" کے صفحہ ۳۹ پر امام راغب اصفہانی کی کتاب المفردات سے تقویٰ کے معنی لکھتے ہیں پھر اس کا ترجمہ بھی فرماتے ہیں ملاحظہ ہو۔

التقویٰ حفظ الشئ مما یوذیہ ویضرہ۔

(ترجمہ) تقویٰ سے مراد ہر اس چیز سے محفوظ رہنا ہے جو تکلیف اور نقصان پہنچائے۔

اس میں پروفیسر صاحب نے دو غلطیاں کی ہیں۔

۱۔ ایک تو یہ کہ عبارت کے نقل کرنے میں ٹھوکر کھائی ہے۔ امام راغب کی عبارت میں لفظ "التقویٰ" نہیں "الوقایۃ"

چونکہ موصوف "تقویٰ" کے موضوع پر لکھ رہے تھے اور "مفردات امام راغب" سے جو حوالہ نقل کرنا چاہتے تھے اس میں لفظ "تقویٰ" نہیں "وقایۃ" ہے لیکن جناب موصوف نے یہ خیال کرکے کہ ان کے اردگرد جمع ہونے والے علم سے کورے ہیں ان کی لکھی ہوئی عبارت کو کس نے دیکھنا ہے "وقایۃ" کے لفظ کی جگہ "التقویٰ"

لکھ کر کام چلتا کیا۔

ع اندھیر نگری چوپٹ راجہ

جب کہ دراصل امام راغب اصفہانی علیہ الرحمۃ کی عبارت یوں ہے۔

" الوقایۃ حفظ الشئ یعنی " وقایہ " کا معنی کسی شئ کی ہر

مما یؤذیہ ویضرہ " اس چیز سے حفاظت کرنا ہے جو اسے

(المفردات صہ ۵۳) ایذاء یا نقصان پہنچا سکتی ہو۔

جناب طاہر القادری نے " الوقایۃ " کی جگہ " التقویٰ " کا لفظ رکھ کر علمی بددیانتی کا ارتکاب کیا۔

۲۔ دوسری غلطی یہ فرمائی کہ " حفظ الشئ " کے معنی " محفوظ رہنا " کئے جب کہ اس کے معنی " محفوظ کرنا " ہے، محفوظ رہنا نہیں۔ دونوں معنوی بین بڑا فرق ہے " محفوظ رہنا " فعل لازم ہے اور اس کا تعلق صرف ایک ذات کے ساتھ ہوتا ہے جو اس کی فاعل ہوتی ہے لیکن محفوظ رکھنے کا تعلق دوسری چیز یا دوسرے شخص کے ساتھ ہے اور یہ فعل متعدی ہے۔ لیکن پروفیسر صاحب کو اس قدر باریکیوں میں جانے اور سوچنے کی فرصت کہاں انہیں تو جلدی جلدی کتابیں تصنیف کرنا ہے اور اپنے آپ کو اس دور کا سب سے بڑا مصنّف کہلوا کر سادہ لوح عوام پر اپنا رعب قائم فرمانا ہے۔

پھر موصوف اپنی اسی کتاب " فرقہ بازی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے؟ " کے صفحہ ۴۰ پر لکھتے ہیں کہ:۔

" تقویٰ کی تعریف ایک مقام پر ان الفاظ میں بھی کی گئی ہے " التقویٰ حفظ النفس عما یؤثم (المفردات) ترجمہ لکھتے ہیں (تقویٰ سے مُراد ہر اس شئ سے بچنا ہے جو گناہ میں مبتلا کردے۔"

موصوف نے یہاں تین غلطیاں کی ہیں۔

۱۔ یہ کہ ان کا کہنا کہ "ان الفاظ میں بھی کی گئی ہے" ظاہر کرتا ہے کہ انہوں نے مفردات کے حوالہ سے جو عبارت پہلے تحریر فرمائی تھی۔ جس پر ہم نے کچھ عرض بھی کیا ہے۔ اسے بھی موصوف نے تقویٰ ہی کی تعریف قرار دیا حالانکہ وہ تقویٰ کی تعریف نہ تھی وہ تو "وقایۃ" کے معنی تھے

۲۔ دوسری غلطی یہ کی کہ المفردات کی مکمل عبارت نقل نہیں کی حالانکہ اس کا نقل کرنا ضروری تھا۔ مکمل عبارت یوں ہے۔

وصار التقوی فی تعارف الشرع حفظ النفس عما یؤثم"
(المفردات صہ ۵۳۱)

یعنی تقویٰ شریعت کے عرف میں "ہر اس چیز سے نفس کی حفاظت کرنا قرار پایا جو گناہ کا موجب ہو"

۳۔ تیسری غلطی یہ فرمائی کہ یہاں بھی لفظ "حفظ" کے معنی "بچنا" کے کئے حالانکہ اس کے معنی بچانے اور حفاظت کرنے کے ہیں۔

سلسلۂ تحریفات

اقوالِ بزرگانِ دین

طاہر القادری نے قرآن وسنت کی طرح اقوالِ بزرگانِ دین پر بھی ہاتھ صاف کئے ہیں اور ان میں بھی تحریفیں کیں یا جہالتوں کا مظاہرہ کیا۔ اس کی اپنی کتابوں اور کیسٹوں کے حوالے سے ملاحظہ فرمائیں۔

بزرگانِ دین کے اقوال میں معنوی تحریف

پروفیسر طاہر القادری کی تحریف کرنے کی جو عادتِ شریفہ ہے نہ صرف قرآن و سنت اس کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ بلکہ بزرگانِ دین و ائمہ مجتہدین کے اقوالِ شریفہ بھی اس کی زد میں آ رہے ہیں۔ اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں ان میں سے ایک مثال پیشِ خدمت ہے۔ اپنی اسی کتاب "سورۃ فاتحہ اور تعمیرِ شخصیت" کے صفحہ ۵۵ پر مواہب لدنیہ سے ایک حوالہ نقل کرتے پھر ساتھ ہی اس کا ترجمہ فرماتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

فقال الحافظ ابو یعلیٰ الھمدانی الاصح ان العرش قبل القلم

(ترجمہ) حافظ ابو یعلیٰ ہمدانی فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ قلم سے پہلے عرش کو پیدا کیا گیا۔

امام ابو یعلیٰ علیہ الرحمۃ نے تو لفظ "الاصح" ارشاد فرمایا جو عربی گرامر کی رو سے اسمِ تفضیل کا صیغہ ہے۔ اس کے معنی ہیں "زیادہ صحیح" لیکن پروفیسر صاحب نے اپنی کم علمی و کم فہمی کی بنا پر یوں ترجمہ کر ڈالا۔ "صحیح یہ ہے کہ قلم سے پہلے عرش کو پیدا کیا گیا۔ جب کہ صحیح کا مقابل غلط اور اصح کا مقابل صحیح ہوتا ہے۔ لفظ "صحیح" صیغۂ صفت مشبہ ہے جب کہ "اصح" اسمِ تفضیل ہے۔" امام ابو یعلیٰ نے لفظ اصح (زیادہ صحیح) لکھ کر اس بات کا اظہار فرمایا ہے۔ کہ اس کے علاوہ بھی ایک قول ہے اور وہ صحیح ہے لیکن جو میں کہہ رہا ہوں یہ زیادہ صحیح ہے مگر پروفیسر طاہر القادری نے اس کا ترجمہ "صحیح" کیا۔ اس سے لازم آتا ہے کہ اس کے علاوہ جو قول ہے وہ صحیح ہی نہیں بلکہ غلط ہے۔ گویا مصنف علیہ الرحمۃ کچھ کہنا چاہتے تھے ان کے ترجمان کچھ کہہ گئے حیرت ہے ادھر سے دنیا میں اسلام کو غالب کرنے کا دعویٰ اور ادھر سے قرآن و سنت اور بزرگوں

گے کلام و ارشاد کی ترجمانی میں بے راہ رویوں اور بے اعتدالیوں کا یہ عالم ہے

بے اعتدالیاں ہیں ادائے کلام میں!

باہر ہے اختیار سے ان کی زباں ابھی

چلنے میں لڑکھڑاتے ہیں اک اک قدم پہ پاؤں

گو کھینچتے ہیں پر نہیں کھنچتی کماں ابھی

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ پروفیسر صاحب، اسم تفضیل اور صیغۂ صفت مشبہ میں تمیز و تفریق تک سے ناواقف ہیں اور دعویٰ یہ ہے کہ آپ کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے کاموں پر مامور فرمایا۔ لاحول ولا قوۃ۔

حقیقت یہ ہے کہ پروفیسر صاحب کی جملہ کتابیں بھی اسی قسم کی اغلاط و تحریفات سے بھری پڑی ہیں ہے

ایک ہنگامۂ محشر ہو تو اس کو بھولوں

سینکڑوں باتوں کا رہ رہ کے خیال آتا ہے

خطبۂ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی معنوی تحریف

جناب پروفیسر طاہر القادری صاحب کی تحریفات کی زد میں امیر المؤمنین سیّدنا علی المرتضیٰ کا خطبہ بھی آگیا۔ چنانچہ موصوف نے اپنی اسی کتاب " فرقہ پرستی... " کے صفحہ ۱۱۷ پر نہج البلاغۃ کی دوسری جلد میں سے خطبۂ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نقل کر کے اس کا ترجمہ فرمایا۔ اس میں موصوف نے بہت سی غلطیاں فرمائیں مگر ہم وہ حصہ نقل کر رہے ہیں جس میں نہایت ہی فحش غلطی بلکہ بری طرح تحریف کر ڈالی۔ ملاحظہ ہو۔

وسیھلک فی صنفان: محب مفرط یذھب بہ الحب الیٰ غیر الحق ومبغض مفرط یذھب بہ البغض الی غیر الحق۔ (نہج البلاغۃ ج ۲ ص ۸)

(ترجمہ) میرے بارے میں دو گروہ ہلاکت کا شکار ہوں گے۔ پہلا وہ گروہ جس نے میرے ساتھ محبت میں غلو کیا اور حق کے راستے سے دور چلا گیا دوسرا وہ جس نے میرے ساتھ غلو کیا اور گمراہ ہوا۔

(نوٹ) پروفیسر صاحب نے نہج البلاغۃ کا صفحہ ۱۱ / ۱۲ لکھا ہے لیکن میرے نسخہ کا صفحہ ۸ ہے۔

امیر المؤمنین و مولائے مسلمین سیدنا و مولانا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے اس ارشادِ گرامی کے ترجمہ میں پروفیسر صاحب نے پانچ غلطیاں کی ہیں۔

۱۔ "یذھب بہ الحبُّ الی غیر الحق" کا ترجمہ غلط کیا یعنی "حق کے راستے سے دور چلا گیا"، حالانکہ "یذھب بہ" باحرفِ جر کی وجہ سے متعدی ہو گیا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ موصوف اس قاعدۂ صرفیہ جسے دینی مدارس کے ادنیٰ طالب علم بھی یاد کئے ہوئے ہوتے ہیں، سے بھی ناواقف ہیں، کہ "ذَھَبَ" فعل

لازم ہے۔ اس کے معنی ہیں "وہ گیا" اور اس کا فعل مضارع "یذھب" ہے جس کے معنی ہیں وہ جاتا ہے یا جائے گا۔ لیکن جب اس کا صلہ حرف "با" آجائے تو یہ متعدی ہو جاتا ہے، جیسے "ذَھَبَ بہ" وہ اسے لے گیا۔ "یذھب بہ" وہ لے جاتا ہے یا لے جائے گا" موصوف نے اسی ایک جملہ میں دراصل دو غلطیاں کی ہیں ایک "یذھب بہ" کے معنی لازم کے کئے حالانکہ یہ متعدی ہے۔ دوسری غلطی یہ کی کہ اس کے معنی ماضی کے کئے۔ حالانکہ یہ فعل مضارع ہے جس کے معنی ہیں حال اور مستقبل کا زمانہ پایا جاتا ہے۔

۲۔ اسی طرح دوسرے جملہ "یذھب بہ البعض الی غیر الحق" کے معنی بھی غلط کئے۔ یعنی "اور گمراہ ہوا" اس میں بھی موصوف نے دو غلطیاں کی ہیں

ا۔ "یذھب بہ" حرف "با" کی وجہ سے فعل متعدی ہے۔ لیکن موصوف نے اسے فعل لازم بنا دیا۔ اس لئے فعل لازم والا معنی کیا۔

اا۔ دوسری غلطی یہ کی کہ "یذھب بہ" فعل مضارع ہے لیکن موصوف نے اس کا معنی فعل ماضی کا کیا۔ اور پانچویں غلطی یہ کی کہ حرف "س" جو "سَیَھلکُ" میں موجود ہے اس کا معنی چھوڑ دیا اور یوں معنی کیا "میرے بارے میں دو گروہ ہلاکت کا شکار ہوں گے"۔ پروفیسر صاحب کے اس ترجمہ سے معلوم نہیں ہوتا کہ اس پیش گوئی کا تعلق مستقبل قریب کے ساتھ ہے یا مستقبل بعید کے ساتھ۔ مگر جب "س" کا معنی بھی کیا جائے تو اس کے معنی مستقبل قریب میں ایسا ہونے کے ہیں۔ چنانچہ درایہ شرح ہدایۃ النحو میں ہے کہ

انما قدم السین علیٰ سوف لدلالتہ علی الاستقبال القریب (درایہ ص۲۶ طبع دہلی)	کہ صاحب ہدایۃ النحو نے سین کو سوف سے اس لئے پہلے بیان کیا کہ سین مستقبل قریب پر دلالت کرتا ہے۔

آئیے، اس کا صحیح ترجمہ ملاحظہ فرمائیں ۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ :-

"مستقبل قریب میں، میرے بارے میں دو گروہ ہلاک (مستحقِ عذاب) ہوں گے ایک حد سے بڑھ کر محبت کرنے والا وہ (محبت میں حد سے بڑھنا) اسے گمراہی کی طرف لے جائے گا اور ایک بغض میں حد سے بڑھنے والا وہ (بغض) اسے گمراہی کی طرف لے جائیگا۔"

قارئین! غور فرمائیں اور نظر انصاف سے دیکھیں کہ جس میں قرآن و حدیث اور بزرگانِ دین کے معنوں کو صحیح طور پر سمجھنے کی صلاحیت نہ ہو پھر اس کے نام کے ساتھ علامہ ڈاکٹر اور پروفیسر کے القاب لگائے جاتے ہوں ۔ کیا اس میں ان القاب و خطابات کی توہین نہیں ہے ؎

ہٹ چھوڑیئے بس اب سرِ انصاف آئیے
انکار ہی رہے گا میری جان کب تلک

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے ارشادِ گرامی میں تحریف

پروفیسر صاحب نے حسبِ عادتِ شریفہ، امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے ایک ارشاد گرامی کے معنی نقل کرتے ہوئے اس میں بھی تحریف کر ڈالی۔ چنانچہ وہ اپنے رسالہ "تحقیق مسائل کا شرعی اسلوب" کے صفحہ ۱۵/۲۷ پر امام صاحب کا ارشادِ گرامی اور اس کا ترجمہ نقل فرماتے ہیں کہ امام صاحب نے تابعین کے بارے میں فرمایا۔

فهم رجال ونحن رجال	سو وہ بھی انسان تھے اور ہم بھی
(۱۵) هم رجال اجتهدوا و نحن رجال نجتهد (۲۷)	انسان ہیں وہ بھی انسان تھے جنہوں نے اجتہاد کیا اور ہم بھی انسان ہیں ہم اجتہاد کرتے ہیں۔

پروفیسر صاحب کی کم علمی یا عربی الفاظ کے معنوی تقاضوں سے بے اعتنائی و بے احتیاطی کا حال ملاحظہ فرمائیں کہ صفحہ ۱۵ اور صفحہ ۲۷ پر دونوں عبارتوں میں وارد لفظ "رجال" کے معنی "انسان" کے کر ڈالے۔ حالانکہ عربی کی معمولی سی سوجھ بوجھ رکھنے والے طالب علم بھی کبھی ایسی غلطی نہیں کریں گے کہ "رجال" کے معنی "انسان کے کریں۔" رجال" "رجل" کی جمع ہے جس کے معنی" مرد" کے ہیں۔ انسان میں اور مرد میں بہت فرق ہے "انسان" ایک جنس ہے اور "رجل یا رجال" اس کی ایک نوع ہے۔ اصُول فقہ کے طلبہ کو اصُولِ فقہ کی پہلی کتاب" اصُول الشاشی" کے شروع میں خاص کی بحث پڑھتے ہوتے ہی ان دونوں لفظوں کے درمیان فرق کا علم ہو جاتا ہے کہ" انسان" خاص جنسی اور "رجل" خاص نوعی ہے۔ کوئی بھی سمجھدار اور علم سے کچھ تعلق رکھنے والا شخص "رجل یا رجال" کا معنی انسان اور" انسان" کا معنی" رجل یا رجال" سے نہیں کرے گا۔ کیونکہ

"انسان" میں مرد اور عورت دونوں آجاتے ہیں۔ جب کہ "رجال" صرف مردوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ لیکن پروفیسر صاحب کے اجتہادِ نو کی روشنی میں شاید "رجل" اور "انسان" میں تساوی کی نسبت ہے اس اعتبار سے گویا پروفیسر صاحب کے نزدیک عورت انسان ہی نہ ٹھہری۔ لہٰذا لازم آتا ہے کہ وہ "عورتوں" پر انسان کے لفظ کا اطلاق نہ کریں۔ بلکہ ان کے لئے اپنے اجتہاد کی روشنی میں کوئی نیا ہی لفظ وضع فرمائیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طاہر صاحب سے شعور کی نعمت چھن گئی ہے۔

اور یہ ائمہ اربعہ کی کرامت ہے کہ جو شخص ان کی چوکھٹ سے پھر جاتا ہے اس سے عقل و شعور اور علم و عرفان کی نعمت چھن جاتی ہے۔ کیونکہ ائمہ اربعہ سے پھرنا دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ سے پھرنا ہے اور ایسے شخص کا انجام ذلت اور خواری کے سوا کچھ نہیں ؎

جو تیرے سے یار پھرتے ہیں
دربدر یوں ہی خوار پھرتے ہیں

امام راغب کے کلام کی معنوی تحریف

پروفیسر صاحب نے امام راغب کے کلام کی بھی معنوی تحریف کر ڈالی۔ چنانچہ موصوف اپنے رسالہ "معارفِ اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم" کے صفحہ ۹ پران کی عبارت نقل کرکے اس کا معنی لکھتے ہیں۔

ومحمد اذا کثرت خصاله المحمودة (مفردات ص۳۸۵) (ترجمہ) اور محمد اسے کہتے ہیں جس کی قابلِ تعریف عادات حد سے بڑھ جائیں۔

ناظرین! پروفیسر صاحب نے امام راغب اصفہانی کی عبارت کا ترجمہ غلط کرکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمِ گرامی کی تعریف ہی بدل ڈالی۔ اس میں "حد سے بڑھ جائیں" معنی صحیح نہیں، غلط ہے اس کا صحیح ترجمہ یوں ہے۔

"اور محمد اس وقت (کہا جائے گا) جب اس کی قابلِ تعریف عادتیں بہت ہوں"۔ پروفیسر صاحب کا "کَثُرَت" کے معنی "حد سے بڑھ جانے" کے کرنا، ایک ایسی فاش غلطی ہے کہ ایک علامہ، ڈاکٹر، پروفیسر اور عالم دین و عالمِ عربی زبان کے دعویٰ فرمانے والے شخص سے اس کا سرزد ہونا، نہ صرف تعجب خیز ہے بلکہ اس فحش غلطی سے ان کے یہ سارے دعوے بے حقیقت ہو کر رہ جاتے ہیں۔ نیز موصوف نے کتاب مذکور کا جو صفحہ ۳۸۵ لکھا ہے یہ کسی عربی نسخے کا صفحہ نہیں ہے۔ بلکہ مفردات کے اردو ترجمہ کا ہی صفحہ ہو سکتا ہے کیونکہ عربی والی کتاب کے صفحات کی تعداد "ح م د" کے مادہ تک ۳۸۵ کبھی نہیں ہو سکتے۔ مثلاً میرے پاس عربی کا نسخہ موجود ہے اس میں یہ عبارت صفحہ ۱۳۱ پر موجود ہے لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ موصوف نے کسی اور صاحب کے ترجمہ کو ہی نقل کرکے مکھی پر مکھی ماری ہے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

حضرت حسّانؓ رضی اللہ عنہ کے کلام میں معنوی تحریف

موصوف نے اپنے اسی رسالہ "معارفِ اسمِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم" کے صفحہ ۱۶ پر حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دو مشہور شعر نقل فرمائے اور ان کے یوں اعراب بھی لگائے ہے۔

وَأَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَقَطُّ عَيْنِيْ
وَأَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَآءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّءً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ
كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَآءُ

ترجمہ:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حسین چہرہ میں نے آج تک نہیں دیکھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خوبصورت شخص کسی ماں نے نہیں جنا"

پروفیسر صاحب نے سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ان دو شعروں میں دو غلطیاں کی ہیں۔

۱۔ یہ کہ حضرت حسانؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے عرض کر رہے ہیں۔ کیونکہ "مِنْكَ" میں "كَ" کلمۂ خطاب ہے۔ مگر پروفیسر صاحب کے ترجمہ میں خطاب کی بجائے غیبت پائی جاتی ہے جیسے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عدم موجودگی میں اپنے خیال کا اظہار کر رہے ہوں۔

حالانکہ ترجمہ یوں ہونا چاہیے۔

"یا رسُول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بڑھ کر حسین میری آنکھ نے نہیں دیکھا اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بڑھ کر خوبصورت بیٹا عورتوں نے نہیں جنا

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہر عیب سے پاک پیدا کئے گئے۔ گویا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسے چاہتے تھے ویسے پیدا کئے گئے۔

۲۔ یہ کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے "حسن" کی علی العموم توصیف کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعضاءِ مبارکہ میں سے کسی ایک چیز کو مخصوص نہیں کر رہے ہیں۔ لیکن پروفیسر صاحب نے ترجمہ میں ذکرِ حسن کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ اقدس کے ساتھ مختص کر ڈالا اور محدود بنا ڈالا۔ حالانکہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے کلام میں چہرۂ اقدس کا کوئی ذکر نہیں بلکہ وہ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سراپا حسنِ بے مثال ہیں ؎

داستانِ حسن جب پھیلی تو لامحدود تھی
جب سمٹی تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام بن گئی۔

امام بوصیری علیہ الرحمۃ کے کلام میں معنوی تحریف

پروفیسر صاحب نے حسب معمول شریف، امام ابوصیری علیہ الرحمۃ کے کلام پر ہاتھ صاف کرتے ہوئے اس کی بھی معنوی تحریف فرما دی۔ اسی رسالہ کے صفحہ ۱۹ پر امام بوصیری علیہ الرحمۃ کے قصیدہ بردہ شریف میں سے تین اشعار نقل فرمائے۔ اور ان کا ترجمہ بھی فرمایا۔

۱:- فَهُوَ الَّذِیْ تَمَّ مَعْنَاهُ وَصُوْرَتُهُ
ثُمَّ اصْطَفَاهُ حَبِيْبًا بَارِئُ النَّسَمِ

○

۲:- مُنَزَّهٌ عَنْ شَرِيْكٍ فِيْ مَحَاسِنِهٖ
فَجَوْهَرُ الْحُسْنِ فِيْهِ غَيْرُ مُنْقَسِمِ

○

۳:- فَاقَ النَّبِيِّيْنَ فِيْ خَلْقٍ وَفِيْ خُلُقٍ
وَلَمْ يُدَانُوْهُ فِيْ عِلْمٍ وَلَا كَرَمِ

ترجمہ:- "اللہ تعالیٰ نے آپ کے ظاہری اور باطنی حسن کو درجۂ کمال تک پہنچایا اور پھر اپنی محبت کے لئے آپ کو منتخب کرلیا (الی ان قال) آپ کے جود و کرم کی کوئی حد ہے اور نہ علم و فضل کا کوئی ٹھکانہ ہے۔

ان تین اشعار کے ترجمہ میں پروفیسر صاحب نے چار غلطیاں کرکے حضرت امام بوصیری علیہ الرحمۃ کے کلام مبارک میں تحریف کر ڈالی۔

۱۔ یہ کہ فَهُوَ الَّذِیْ" میں "هُوَ" ضمیر اللہ کی طرف لوٹائی۔ حالانکہ اس سے

مراد اللہ تعالیٰ نہیں بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم ہیں۔

۲۔ یہ کہ "تَمَّ" فعل لازم ہے اور اس کا فاعل "معناہ" اور "صُوْرَتُہٗ" ہے۔ جس کے معنی ہیں "پورا ہوا" یا "کامل ہوا"۔ مگر موصوف نے "تَمَّ" کو متعدی قرار دے کر اس کا فاعل اللہ تعالیٰ کو بنا دیا۔ جو سراسر غلط بلکہ یہ پروفیسر صاحب کے "ترکیب نحوی سے کورے ہونے کی دلیل ہے۔

۳۔ یہ کہ "اِصْطَفَاہُ" کا فاعل "ھو" ضمیر مستتر ٹھہرالیا اور "باری النسم" کو ترجمہ میں سے اڑا دیا حالانکہ یہ فعل مذکور "اصطفاہ" کا فاعل ہے۔

۴۔ "ولم یدانوہ فی علم ولا کرم" کا ترجمہ "آپ کے جود و کرم کی کوئی حد ہے اور نہ علم و فضل کا کوئی ٹھکانہ ہے" غلط کیا جب کہ اس کا صحیح ترجمہ یوں ہے "اور انبیاء علیہم السلام علم و کرم میں آپ کے قریب بھی نہیں ہوئے۔ عام محاورات میں کہتے ہیں "فلاں، فلاں کے قریب بھی نہیں بھٹکا۔" لیکن ہم نے ادب کی وجہ سے قریب بھٹکنے کی بجائے قریب ہونے کا معنی کیا ہے۔

حضرت بایزید کے قول میں تحریف

پروفیسر صاحب اپنے رسالہ "شاہ ولی اللہ دہلوی اور فلسفہ خودی" کے صفحہ ۸ پر حضرت بایزید کا قول نقل کر کے ساتھ ہی ترجمہ فرماتے ہیں ہم صرف اس کا وہ ابتدائی حصہ درج کر رہے ہیں جس میں تحریف واقع ہوئی ہے (موصوف نے اس میں دو غلطیاں کی ہیں)

غصت لجة المعارف الخ (ترجمہ) میں نے معرفت کے سمندوں میں غوطہ لگایا۔
(بحوالہ جواہر البحار)

۱۔ موصوف نے "لُجَّة" کا معنی "سمندروں" سے کیا جو غلط اور سراسر غلط ہے "لُجَّة" کے معنی گہرے پانی کے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔

فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً (سورہ نمل ۴۴) پھر جب بلقیس نے اس (صحن) کو دیکھا اسے گہرا پانی سمجھی۔

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ موصوف قرآن کے معنوں سے بھی بے خبر ہیں اور دعویٰ فرماتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں امت کی کشتی کا ناخدا بنا دیا۔

۲۔ دوسری غلطی یہ فرمائی کہ عربی عبارت میں "المعارف" کا ترجمہ "معرفت" کیا حالانکہ یہ جمع ہے معرفت کی۔ تو جمع کا ترجمہ واحد سے کیا۔ جبکہ اس کا صحیح ترجمہ "معرفتوں" ہے۔ "معرفت" واحد ہونے کی وجہ سے صرف ایک قسم کی معرفت کو شامل ہو گا۔ جب کہ حضرت بایزید بسطامی "المعارف" جمع کا لفظ لاکر کئی ایک قسم کی معرفتوں میں غوطہ زنی کا اظہار فرما رہے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کی متعدد انواع و اقسام ہیں ۱۔ معرفتِ ذات ۲۔ معرفتِ صفات ۳۔ معرفت اسماء ۴۔ معرفتِ افعال۔ جب حضرت بایزید بسطامی "المعارف" جمع کا صیغہ ارشاد فرما کر معرفت کے متعدد انواع و اقسام میں غوطہ زنی کا اظہار فرما رہے ہیں تو ان کے ارشاد کا معنی، واحد کے صیغہ سے کرنا ان کی اس شان میں کمی کرنا ہے جس کا وہ اظہار فرما رہے ہیں۔

انبیاء سابقین کی نبوّت کے بارے میں جاہلانہ فلسفہ

قارئین! اس پروفیسر، علامہ اور ڈاکٹر کہلانے والے طاہر القادری کے اس جاہلانہ فلسفہ کو بھی ملاحظہ فرمایئے جو اس نے انبیاء سابقین کی نبوّت کے بارے میں بیان کیا کہ ان کی نبوت کو ایک خاص زمانے اور خاص علاقے اور خاص قوم تک کیوں محدود رکھا جاتا تھا۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب "اجزائے ایمان" میں لکھتے ہیں۔

"یہاں یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ بار بار نزولِ وحی کا ایک خاص مقصد تھا اور وہ یہ کہ بھٹکی ہوئی انسانیت کو رشد و ہدایت کا رستہ دکھایا جائے چونکہ ہر نبی کی نبوت اور اس کا دائرہ کار محدود ہوتا تھا۔ اسی بنا پر ان کا پیغام بھی محدود انسانوں تک پہنچ پاتا تھا۔ رسل و رسائل اور تحریر و کتابت کی سہولتوں کے فقدان یا ان کے غیر تسلی بخش نظام کی بنا پر ان کے پیغامات دور دراز کے انسان تک نہیں پہنچ پاتے تھے اور زیادہ دیر تک محفوظ بھی نہیں رہ سکتے تھے۔ اس لئے جب ایک نبی کا زمانہ نبوت ختم ہونے کو ہوتا تو کسی نئے سلسلے کو جاری کر دیا جاتا۔"

(اجزائے ایمان حصہ دوم صفحہ ۴)

قارئین! جناب طاہر القادری صاحب کا کہنا یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کی ہدایت کے لئے کسی ایک ہی نبی کو بھیجنے کی بجائے زمین پر اس لئے بار بار وحی بھیجی اور انبیاء علیہم السلام کو بار بار اور یکے بعد دیگرے اس لئے بھیجا کہ ان زمانوں میں ہر نبی نبی کی نبوت کا دائرۂ کار محدود ہوتا اور اسی وجہ سے اس کا پیغام بھی محدود انسانوں تک پہنچ پاتا تھا۔ تحریر و کتابت اور ایک جگہ سے دوسری جگہ تک

پہنچنے کی سہولتیں بھی مفقود و نایاب تھیں اور ان کا نظام بھی تسلی بخش نہ تھا اس لیے ان پیغمبروں کے پیغامات بھی دور دراز کے انسانوں تک نہیں پہنچ پاتے تھے اور وہ پیغامات زیادہ دیر تک محفوظ بھی نہیں رہ سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک نبی کی نبوت کے زمانہ کے ختم ہوتے ہی نئے نبی کو بھیج دیا جاتا۔

گویا انبیاء سابقین کی نبوّتوں کو مخصوص علاقوں اور مخصوص قوموں تک محدود رکھنے کی یہی وجہ تھی کہ رسل و رسائل اور ابلاغ و تبلیغ کی وسائل نہ پائے جاتے تھے اور تحریر و لکھائی کا کوئی نظام نہ تھا۔ بلکہ اسی قسم کا نظام یا تھا ہی نہیں اور اگر کہیں تھا تو وہ خراب اور غیر تسلی بخش تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کو بار بار وحی بھیجنا پڑتی اور بار بار نبی بھی بھیجنے پڑتے۔ پھر لکھتے ہیں۔

"مگر یہ نظام ہمیشہ کے لئے نہ تھا، انسانیت اپنی منازل طے کر رہی تھی اور اس کے ساتھ اس کی تمام قدریں، تقاضے، وسائل اور مسائل بھی مائل بہ ترقی تھے اور سلسلۂ ارتقاء ہمیشہ اپنے منتہائے کمال کو پہنچ کر ہی رکتا ہے لہٰذا محض یہ نہ تھا کہ یہ ارتقاء کسی آخری منزل کے تعیّن کے بغیر ہمیشہ جاری رہتا۔ اسے بہرحال اپنے نقطۂ عروج اور منزل تک پہنچ کر ختم ہو جانا تھا۔ انبیاء آتے رہے وحی و نبوت آگے بڑھتی رہی گروہِ انبیاء میں سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم وہ ہستی ہیں جن کی ذاتِ گرامی پر سلسلۂ نبوت اپنے منتہائے کمال کو جا پہنچا"

(اجزائے ایمان حصہ دوم ص۱۴۴)

قارئین کرام! غور فرمائیں کہ جناب طاہر صاحب واضح فرما رہے ہیں کہ زمانہ کے ساتھ ساتھ وسائل بھی ترقی کرتے رہے اور نبوت کا سلسلہ بھی متحرک رہا۔ آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و تشریف آوری پر نبوت اور وسائل ابلاغ و تبلیغ، تحریر و کتابت، اور ایک

جگہ سے دوسری جگہ تک بلکہ دُور دراز تک پیغام رسانی کے وسائل بھی نقطۂ عروج کو پہنچ گئے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نبوت دی گئی وہ آخری وحی پر مشتمل نبوت تھی۔ زمانہ کی ترقی کی رفتار حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ پر آکر رک گئی اور وسائل نے جو سلسلۂ ارتقاء طے کرنا تھا وہ طے کر لیا تھا اب اس کے بعد مزید ترقی ممکن نہ تھی اس لئے اس سے آگے سلسلۂ نبوت کو بھی مزید جاری رکھنا بے فائدہ قرار پاتا تھا۔ لہٰذا اللہ تعالٰے کو نبوت کے سلسلہ کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کرنا پڑا"۔

گویا حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ تک نبوت کے سلسلہ کو زمانہ کے حالات کے تابع رکھا گیا، وسائل ابلاغ و تبلیغ محدود تھے تو نبیوں کی نبوتیں بھی مخصوص جگہ اور مخصوص علاقوں تک محدود رکھی گئیں اور جب وسائل و مسائل ترقی کرتے کرتے اپنے کمال کو پہنچ گئے۔ جس سے آگے وسائل و مسائل کی ترقی ممکن نہ تھی تو نبوت کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا گیا انا للہ وانا الیہ راجعون

لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم

نام نہاد پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری کے اس جاہلانہ فلسفۂ ختم نبوت کو اس کی جہالت کا ایک بہت بڑا ثبوت ٹھہرایا جائے تو بجا ہے۔ اس فلسفہ سے نہ صرف انبیاء سابقین کی نبوتوں کی اہانت ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی شان عالی کی تنقیص اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ختم نبوت کی بھی توہین ہے۔ لاحول ولاقوۃ ۔۔

قارئین! حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء سابقین کی نبوت کو جو بعض قوموں اور مخصوص علاقوں تک محدود رکھا اس کی وجہ ہرگز ہرگز وسائل ورسل ورسائل و تحریر و کتابت و پیغام رسانی کی سہولتوں کا فقدان نہ تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ایک پیغمبر کی آواز دے زمین کے تمام باشندوں تک ہی نہیں عالم ارواح کی روحوں تک بھی پہنچا سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب کعبہ معظمہ کی تعمیر مکمل فرمائی تو انہیں حکم ہوا کہ حج کی ندا کرو انہوں نے

ندا فرمائی تو ان کی ندا کو عالمِ ارواح تک پہنچا دیا گیا۔ جیسا کہ معتبر روایات و مستند کتب سے ثابت ہے۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کونسی ایسی نئی چیز ایجاد ہوئی تھی جسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وسیلۂ تبلیغ کے طور پر استعمال کیا تھا اور وہ چیز پہلے نبیوں کے زمانوں میں ایجاد نہ ہوئی تھی؟ یہی اونٹوں کا سفر، گھوڑوں کا سفر، بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبلیغِ دین میں جو تکلیفیں اُٹھائیں اور جن آزمائشوں سے گزرے وہ انبیاء سابقین سے بھی بڑھ کر تھیں۔ چنانچہ ایک حدیث شریف میں بھی اسی طرح آتا ہے۔ لہٰذا جو فلسفہ طاہر صاحب نے جھاڑا ہے وہ ایک اندھے کے بوسیدہ جھاڑو سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ جس سے صفائی کی بجائے خاک اور تنکے ہی جھڑتے چلے جائیں اور اندھا یہ سمجھے کہ خوب صفائی ہو رہی ہے۔ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ انبیاء سابقین علیہم السلام آسمانِ نبوت کے ستارے تھے اور ستارے بیک وقت کئی ایک ہوتے ہیں اور ان کی روشنی بھی اپنی اپنی سمت و مقام تک محدود ہوتی ہے اس لئے ان کی نبوتیں بھی خاص سمتوں اور علاقوں تک محدود رہی اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو آسمان نبوت کے آفتاب درخشاں و تاباں تھے ان کی جلوہ گری کے بعد ستاروں کے انوار چھپ گئے اور آفتاب کے بعد کسی ستارے کی روشنی کی حاجت محسوس ہی نہیں کی جاتی اور نہ ہی آفتاب کے ہوتے ہوئے کوئی ستارہ نظر آتا ہے اور نہ ہی اس کا نظر آنا ممکن ہوتا ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کے بعد کسی دوسرے نئے نبی کی تشریف آوری کی کوئی حاجت باقی نہ رہی۔ چنانچہ امام ابوصیری فرماتے ہیں:۔

انت شمس فضل هم کواکبها یظهرن انوارها فی الظلم

یا رسول اللہ! آپ فضل و کمال کے آفتاب ہیں باقی انبیاء اس کے ستارے ہیں جو آفتاب کے نور کو اندھیروں میں ظاہر کرتے رہے۔

حرفِ آخر

پروفیسر، علامہ اور ڈاکٹر کہلانے والے دنیائے علم وتحقیق سے بے خبر طاہر القادری صاحب کی بے تکیوں کا باب تو بہت وسیع ہے لکھتے لکھتے قلم تھک رہا ہے۔ ہاتھوں میں مزید جرأت نہیں رہی۔ کاش کہ پڑھے لکھے، دین و دانش اور عقائد و مسلک سے باخبر اہلِ علم خود ہی ان کی کتابیں پڑھ کر ان کی علمی کجرویوں سے واقف ہوجاتے اور بے چارے عوام سُنیوں کو جو اپنا دھن اور دولت ان پر قربان کرتے پھر رہے ہیں ان کے دامِ فریب میں مبتلا ہونے سے بچانے کی فکر کرتے ؎

درد لکھوں کب تک، جاؤں ان کو دکھلاؤں
انگلیاں فگار اپنی، خامہ خونچکاں اپنا

نوٹ:۔ اس کے بعد پروفیسر طاہر القادری کا علمی جائزہ حصہ دوم بھی ملاحظہ فرمائیے جس میں طاہر القادری کے گمراہ کن خیالات وعقائد کا کتاب وسنت و اجماعِ امت واقوال ائمہ دین کی روشنی میں عمدہ جائزہ اور مدلل رد پیش کیا گیا ہے

صدرِ مملکت اور وزیرِ اعظم سے اپیل

صدرِ مملکت اور وزیرِ اعظم سے اپیل ہے کہ طاہر القادری چونکہ ایک عالمِ دین نہیں اور نہ ہی صحیح دانشور ہیں۔ بلکہ قرآن و سنت کی حقیقی تعلیم تک سے نابلد اور بے خبر ہیں۔ جیسا کہ ہم دلائل سے عرض کر چکے ہیں۔ اس لیے طاہر القادری کے ٹی وی پروگرام بند کیے جائیں تاکہ پاکستان ٹی وی پر اہلِ علم و تحقیق کا اعتماد قائم رہے۔

حکومتِ پنجاب سے اپیل

ہم حکومتِ پنجاب سے پہلے تو کچھ عرض کرنے کے قابل نہ تھے البتہ اب جب کہ جناب طاہر القادری کے علامہ پن کی حقیقت ہم نے زیرِ مطالعہ کتاب میں ناقابلِ تردید دلائل سے واضح کر کے اتمامِ حجت کر چکے ہیں۔ امید واثق ہے کہ پنجاب حکومت اپنے اس فیصلے پر نظرِ ثانی کرتے ہوئے اپنے مراسلہ کو منسوخ کرنے میں کوئی تامل نہیں کرے گی۔

اس کتاب میں دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ طاہر القادری کے خیالات اس شریعت مطہرہ سے
مختلف ہیں جو فقہاء و آئمہ اہلسنت کے ذریعے ہم تک پہنچی
پروفیسر طاہر القادری
ایک علمی و تحقیقی جائزہ
تالیف
الشاہ مفتی غلام سرور قادری
ادارہ مصباح القرآن پاکستان لاہور

فرزندانِ اسلام کے لئے مختلف اسلامی موضوعات پر

دورِ حاضر کے عظیم محقق

مفتی غلام سرور قادری ایم۔اے اسلامک لاء

کی شہرہ آفاق

تصانیف

	کتاب	تعارف
۱	معاشیاتِ نظامِ مصطفےٰ	دورِ حاضر کی اقتصادی و معاشی مشکلات کا حل
۲	معجزاتِ مصطفےٰ	گنبدِ خضرا کے سایہ میں لکھی جانے والی نرالی کتاب
۳	ندائے یا محمد یا رسول اللہ	ندائے یا محمد یا رسول اللہ کے موضوع پر بے مثال تحقیق
۴	الشاہ احمد رضا بریلوی	حیاتِ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ پر بہترین تصنیف
۵	افضلیتِ صدیقِ اکبر	اپنے موضوع پر واحد کتاب مع فتویٰ اہلسنت
۶	قاضی اور سربراہِ مملکت	عہدِ قضا اور اسکی ذمہ داریاں سمجھنے کیلئے عمدہ کتاب
۷	تحفۂ مومن	مابعد الموت کے احوال پر عمدہ تحقیق
۸	انیس الارواح	حضرت خواجہ عثمان ہارونی علیہ الرحمہ کے ملفوظات کا فارسی سے اردو ترجمہ
۹	صلوٰۃ و سلام قبل اذان	اذان سے قبل صلوٰۃ و سلام پڑھنے کا جواز
۱۰	اسلامی قانونِ شہادت	اسلامی قانونِ شہادت پر اعتراض کا جواب اور چند شبہات کا ازالہ
۱۱	الصرح النامی علی شرح الجامی	شرح جامی کی شرح و ترجمہ اردو زبان میں پہلی مرتبہ
۱۲	الوظیفۃ الکریمیہ	حل مشکلات کا عظیم وظیفہ مع شرائط پیری و مریدی، ضرورت و اہمیت بیعت۔

غوثیہ سرور سوسائٹی
جامعہ غوثیہ رضویہ مین مارکیٹ گلبرگ ۲۔ لاہور